یہ نغمہ فصلِ گُل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

مُجاہدِ ملّت بطلِ حُرّیت مولانا عبدُالستّار خان نیازی

کی

پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی میں

۵ تاریخی تقریریں

مرتّبہ

ملک محمّد اکبر خاں ساقی

مکتبہ رضویہ گجرات



نام کتاب ــــــــــــــ مولانا عبدالستار خان نیازی کی پنجاب اسمبلی میں پانچ تاریخی تقریریں

مرتّب ــــــــــــــ ملک محمدؐ اکبر خاں ساقی

کتابت ــــــــــــــ خوشی محمد ناصر قادری بینک کالونی سمن آباد۔ لاہور

ناشر ــــــــــــــ مکتبہ رضویہ، گجرات

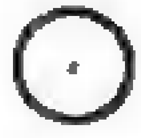
طباعت بار اوّل ــــــــــــــ محرّم الحرام، جنوری، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء

مطبع ــــــــــــــ وفاق پرنٹنگ پریس لاہور

صفحات ــــــــــــــ ۱۲۰

تعداد ــــــــــــــ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

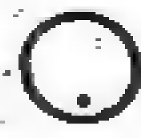
قیمت ــــــــــــــ ۷/۵۰ روپے



ملنے کا پتہ

۱۔ مکتبہ رضویہ، ریلوے روڈ۔ گجرات

۲۔ شرکتِ حنفیہ لمیٹڈ، گنج بخش روڈ۔ لاہور



فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

ارقام: ملک محمد اکبر خان ساقی

آج بے دینی اور دین سے بیزاری ایک وبا کی طرح پھیل رہی ہے، الحاد و دہریت کے داعی اِن افکار کو اپنے خون سے سینچ رہے ہیں، فحاشی و عریانی کا دور دورہ ہے۔ لوگ جلبِ زر کی خواہش میں پاگل ہوتے جا رہے ہیں۔ اسلامی شعائر پر عمل کی تو کیا کیفیت ہوگی، غیر اسلامی نظاموں کے بعض نام لیوا ان شعائر کا مذاق تک اڑانے سے باز نہیں آتے۔ حسنِ معاشرت کا تصور عنقا ہوتا جا رہا ہے۔ اسلامی اخلاق کی پاسداری کم سے کم ہے ہمارے نام تو مسلمانوں کے سے ہیں لیکن عقائد و عبادات کے لحاظ سے ہم میں مردِ مومن کے اوصاف معدوم نظر آتے ہیں۔ آدابِ شہریت اور معاشرتی اقدار کے حوالے سے ہم میں اور ہنود و یہود میں کوئی تفاوت نظر نہیں آتا۔ ہمیں خداوند کریم (جل شانہٗ) اور سرکارِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معیشت کے جو شاندار اصول سکھائے تھے، گردشِ دولت کے جو طریقے بتائے تھے، اکتناز و احتکارِ زر پر جس طرح سخت وعیدیں دی تھیں وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہیں۔ ہمیں اسلام کے فقید المثال نظامِ معیشت کے بجائے غیر اسلامی نعروں میں کشش محسوس ہوتی ہے۔

ہم یہ کافی سمجھتے ہیں کہ سال میں ایک آدھ بار نمازِ عید پڑھ لیں اور باقی سارا اسلام علما کے لیے چھوڑ دیں ہمیں اسی پر فخر ہے کہ ہمارا نام رحمت اللہ یا غلام محمد ہے ہمیں خدا کی رحمت کی اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی طلب نہیں ہے

ہم کسی نہ کسی طرح راتوں رات امیر بن جانے کے خواب دیکھتے ہیں، چاہے اس کے لیے ہمیں اخلاق کو تج دینا پڑے، اسلامی اصولوں اور خدائی ضابطوں کو پس پشت ڈالنا پڑے اور خدا اور رسولِ خدا کو ناراض کرنا پڑے ہمیں سود کی حرمت کے احکامِ خداوندی اور ارشاداتِ نبوی دکھائی نہیں دیتے، ان کی "حلت" کے فوائد نظر آتے ہیں ہمیں بے حیائی اور بے پردگی کے مضرات سے کوئی سروکار نہیں ہم برطانوی یا امریکی نظامِ تعلیم نافذ کر کے اور اس کے تحت "علم" حاصل کر کے یہ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ دنیا کو سب کچھ یورپ نے دیا ہے۔ ہم اس کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ علم و حکمت کے سرچشمۂ حقیقی، اسلام سے اکتساب کریں، دنیا کو بتائیں کہ جب یورپ علم کے تصوّر سے نابلد تھا، عرب نے اس میں عظیم کارنامے انجام دیئے۔ جب سائنس کا کسی کو نام نہیں آتا تھا، مسلمانوں نے اس میں ایسی ایسی ایجادات کیں، علوم و فنون کو اتنی ترقی دی کہ بعض غیر مسلم ان کا اعتراف کر کے اور بعض آنکھیں بند کر کے ان سے آج تک رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

اسلام کے نام پر ہم مسلمانانِ ہند نے ایک علیحدہ مملکت حاصل کی دعویٰ یہ کیا گیا تھا کہ اس خطۂ ارض پر اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ کے تصوّر کو عملی شکل دی جائے گی قرآن و سنّت کے مطابق قوانین نافذ کئے جائیں گے اور عوام و خواص خوشحالی کے اثرات سے متمتع ہوں گے مگر ان وعدوں پر عمل درآمد سے پہلو تہی کی گئی اور غیر اسلامی نظامِ حکومت، غیر متوازن نظامِ معیشت، غیر انسانی طرزِ معاشرت کو مغرب کی دریوزہ گری کے حاصل کے طور پر مسلمانانِ پاکستان پر ٹھونسا گیا۔ ایسے میں یہ تو ممکن تھا اور ہوا کہ عوام اس دھارے میں قعرِ مذلّت کی نذر ہو گئے، خواص تعیّشات سے مستفید ہونے لگے، بیشتر علماء نے اپنی سرگرمیاں تدریس و تصنیف تک محدود کر دیں، اخلاق باختگی کے مشتہرین کی بن آئی لیکن جن لوگوں کو خدا نے بصیرت و تدبّر کی دولت بخشی ہو،

جرأت و استقامت سے مالا مال کیا ہو، وقار و تمکنت اور فہم و فراست کے ساتھ ساتھ ایک حسّاس دِل عنایت فرمایا ہو اور جن کو یہ یقین عطا کیا ہو کہ دین اور دنیا الگ الگ چیزیں نہیں۔ اسلام جہاں عقائد و عبادات سکھاتا ہے، وہاں اس نے حکومت، معاشرت، معیشت، تعلیم غرض ہر شعبے میں دُنیا کی رہنمائی کے واضح اصول منضبط کر دیئے ہیں اور اسلام ایک کامل و اکمل نظامِ زیست کا نام ہے، جس میں آخرت میں کامیابی کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سربلندی اور سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے دائرے میں آکر اس کے کسی ایک حصّے پر عمل کر کے آپ مسلمان نہیں کہلا سکتے۔ کسی ایک شعبے میں اسلام کو نافذ کر کے، یا کسی ایک گوشے میں اس کے علاوہ کسی اور نظام سے تعلق پیدا کر کے آپ فوائد حاصل نہیں کر سکتے۔ آنا ہے تو اسلام میں پُورے کے پُورے داخل ہونا ہوگا۔

جن لوگوں کو اسلام کی حقّانیت اور اس کے ایک کامل و اکمل دین ہونے کا یقین ہوتا ہے، وُہ حالات کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کر لیتے، وُہ صرف مسجد و منبر ہی سے حق کی آواز بلند نہیں کرتے۔ عہدِ حاضر میں ایسے حق شناس و حق پرست گروہ کے سرخیل مجاہدِ ملّت ضیغم اسلام بطلِ حرّیت مولانا عبد الستّار خان نیازی ہیں جنھوں نے دین اسلام کی سربلندی اور سرفرازی کیلئے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کو اپنی زندگی کا طرّہ امتیاز بنا لیا ہے انہوں نے قید و بند کی صعوبتوں کو خوش آمدید کہا، پھانسی کی کوٹھڑی کا خیر مقدم کیا، گولیوں کی بوچھاڑ کو پرکاہ کے برابر وقعت نہیں دی اور حق کہنے سے باز نہیں آئے۔ مساجد میں بھی ان کے نعرہ ہائے رستاخیز سنائی دیتے ہیں اور اسمبلی جیسی جگہوں میں بھی انہوں نے اپنے موقف پر کسی مصلحت کا پردہ کبھی نہیں ڈالا۔ وُہ جیل میں ہوں تو بھی خدائے واحد کے پرستار ہیں اور جلسہ گاہ میں ہوں تو بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اور عاشقِ صادق ہیں۔

مجاہدِ ملّت کی ذات پر قوم نے ہمیشہ اعتماد کیا ہے مسلمانوں کے لیے ایک اسلامی مملکت کے حصول کی خاطر انہوں نے جو جدّوجہد کی، جو قربانیاں دیں، جس طرح گوشے گوشے، قریے قریے میں پاکستان کے نعرے کو مقبول بنایا، اس کے پیشِ نظر ان کی مجاہدانہ صلاحیتوں اور بے مثال خدمات کے اعتراف کے طور پر مسلمانوں کے قائدِ اعظم محمد علی جناح ان کو اپنا معتمد سمجھتے تھے اور عامۃ المسلمین اپنا جگرادار اور نڈر رہنما۔ قوم و وطن پر جب بھی کوئی مصیبت آئی ہے عوام النّاس نے آپ پر اعتماد کیا ہے۔ اپنے بے داغ کردار کے باعث آپ اس وقت بھی حسبِ سابق مسلمانانِ پاکستان کے دلوں کی دھڑکن ہیں جب قوم نے انہیں پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کا رُکن منتخب کیا تھا اُس وقت مجاہدِ ملّت نے قانون سازی کے عمل میں جس طرح مختلف مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے حقائق پسندانہ جائزہ لیا تھا اس کی ایک شکل اس کتابی صورت میں پیش کی جا رہی ہے۔ حضرت مجاہدِ ملّت نے بجٹ پر، مسلم شخصی قانون کے موضوع پر، نظامِ تعلیم اور مسئلہ کشمیر کے اہم مسئلے پر جو تقریریں کیں، فحاشی و عریانی کے استیصال کے لیے جو پردہ بل پیش کیا اُس کی جھلکیوں کی سرکاری رُوداد شائع کی جا رہی ہے۔

قارئینِ کرام تو اس بطلِ حُریّت کی جلالتِ علمی، تبحّر، بصیرت، تدبُّر، قرآن فہمی اور حالات و مسائلِ حاضرہ سے کماحقہٗ آگاہی اور جرأت و بیباکی سے خوب واقف ہیں ہی ان تقاریر کی اشاعت سے آئندہ نسلیں بھی یہ جان سکیں گی کہ مجاہدِ ملّت مولانا عبدالستّار خان نیازی علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل شعر کی ہمیشہ عملی تفسیر بنے رہے ہے

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

بجٹ

تقریر، مؤرخہ ۱۲۔ جنوری ۱۹۴۸ء

(اسمبلی کی سرکاری رپورٹ، جلد اوّل۔ جُز ۵)

"محترم صدر! ہم نے جس روز وزیرِ خزانہ کی تقریر سُنی اُس وقت میں تو یہ سمجھا تھا کہ بجائے اس کے کہ اُنہوں نے ہمارے سامنے ایک لٹریری ڈائجسٹ پیش کر دیا ہے (ہیر ہیر) اسے ایک ادبی شاہکار تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ دُنیا کے آزاد ممالک میں سے آزاد پاکستان کے صُوبہ مغربی پنجاب کا بجٹ ہو سکتا ہے دُرست نہیں ہے۔ اسے آزاد ممالک کے بجٹ سے دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ پچھلے سال مارچ کے مہینہ میں جب یہاں خدارزوزارت نے بجٹ پیش کیا تھا۔

جناب والا! یہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اَب میں اسے مرحُوم وزارت کہوں گا جب آپ کے سامنے اس مرحوم وزارت نے بجٹ پیش کیا تھا تو اس کے بجٹ پر آپ بڑی بحثیں کرتے تھے اور آپ کا ہر ممبر اس کے نقص نکال نکال کر پیش کرتا تھا۔ لیکن آج جب اپنی حکومت کا بجٹ پیش ہو رہا ہے تو آپ کو ساری تنقید اور دلائل بھُول گئے۔ میرا تو یہ حال ہے کہ جب میں آپ کے بجٹ کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس بجٹ اور اُس آنجہانی وزارت کے بجٹ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ آپ کے بجٹ میں آپ کی نئی ضرورتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اور اُن کے لئے آپ نے نئے ٹیکس لگا دیئے ہیں۔ آپ کا یہ بجٹ فرنگی حکومت کے گذشتہ فرسُودہ بجٹ کی پُوری نقل ہے اور اس میں اسلامی رنگ نام کو نہیں۔ بنا بریں یہ بجٹ ان معنوں میں اینگلو محمڈن بجٹ ہے جیسا کہ ملک خضر حیات نے پیش کیا تھا۔ میں نے سارے بجٹ کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا اور نہ ہی میں اس وقت اس کی تفاصیل میں جانا چاہتا ہوں جیسا کہ مجھ سے قبل دو آنریبل ممبر صاحبان نے تبصرہ کیا ہے۔ میں بجٹ کی ہر مد کے اور ہر

ڈیپارٹمنٹ کے متعلق سیر حاصل تبصرہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کوئی تجویز پیش کر سکتا ہوں۔ (ایک ممبر۔کیونکہ آپ نے اسے پڑھا نہیں) نہیں پڑھا ہے (ایک ممبر۔ غور سے پڑھا ہے) ہاں ہاں بڑے غور سے پڑھا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں ایسی تجاویز نہیں پیش کرنا چاہتا جیسی کہ ابھی ابھی آپ کے سامنے پیش ہوئی ہیں۔ مثل مشہور ہے **Jack of all trade master of none** اس لئے میں ہر مد اور ہر جزو زیر بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت تک کوئی مضبوط اور معقول تجویز آپ کے سامنے پیش نہیں کی گئی۔ اور میں بھی یہ نہیں کرنا چاہتا کہ محض ایک داستان کے لئے پہلے ایک محکمہ پولیس کو لوں۔ پھر محکمہ تعلیم کو لے لوں۔ اور پھر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کو زیر بحث لے آؤں۔ اور ایسے سارے بجٹ کو زیر بحث لے آؤں جیسا کہ ابھی آپ کے سامنے کیا گیا ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان تجاویز میں کوئی مضبوط اور معقول تجویز نہ تھی۔ اگر واقعی آپ کی کوئی تجویز معقول اور مضبوط تھی۔ اور اگر آپ کی بے تابی واقعی قوم کے لئے تھی۔ اور اگر آپ نے یہ ساری تجاویز بڑے اخلاص سے پیش کی ہیں تو آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ وزیر خزانہ سے کچھ عرصہ پہلے مل کر انہیں پیش کرتے۔ میں تو اس لئے پیش نہیں کر سکا اور شائد پیش بھی نہیں کر سکتا کیونکہ جن تصورات کی بناء پر میرے دوست وزیر فنانس نے یہ بجٹ پیش کیا ہے یہ وہی ہیں جو پہلے تھے۔ میں نے اس بجٹ پر ہر لحاظ سے غور کر کے دیکھا ہے کہ اس کی ہر مد (ITEM) میں انگریزی نظام حکومت، انگریزوں کے تصورات تمدن و معیشت اور انگریزوں کی طرز فکر کے نقوش جھلکتے نظر آتے ہیں۔ اور باوجود تلاش کے یہ دیکھ نہیں سکا کہ آیا اس میں اللہ اور اللہ کے رسول کے دین کے متعلق بھی کچھ موجود ہے کہ نہیں۔ لیکن اس میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ میں نہیں دیکھ سکا کہ کبھی اس میں خدائے بزرگ و برتر کے پاک نبی کی پاک شریعت اور پاک حکومت و بادشاہت کو قائم کرنے کے لئے بھی کوئی تجویز یا ضرورت پیدا کی گئی ہو۔ بلکہ اس میں وہی انگریزی نظام حکومت اور لعنتی

پارلیمنٹری نظام کے اثرات ہیں کہ جن میں محض کلرک نوازی اور محکمہ سازی کر کے چند بابوؤں اور اینگلو محمڈن طبقہ کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے حکومت کی جا رہی ہے اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ اس پر اعتراض کریں گے کہ میں جو بات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں وہ عمل میں نہیں آسکتی۔ اور نہ ہی یہ تصور سمجھ میں آسکتا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ تصور اس قدر صاف، واضح اور غیر مبہم ہے کہ بآسانی ذہن میں اتر سکتا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے دانش حاضر کے زہریلے اثرات کا کہ موجودہ اینگلو محمڈن مسلمان اس کو عجیب و غریب کہتے ہیں۔ یہ تصور اس دماغ میں اتر سکتا ہے جب وہاں پر خدا کا خیال ہو۔ اور خدا کا خیال بھی جبھی آسکتا ہے جب ذہن صاف ہو بقول حضرت علامہ اقبال ؒ ؎

بیاں میں نکتۂ توحید آتو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

بات یہ ہے یہ سارا انگریزی تعلیم کا فسادِ فکر و نظر ہے۔ میرے معزز دوست جانتے ہیں کہ جب انگریزی تمدن کے ڈھنڈھورچی لارڈ ولیم بنٹنگ یہاں آئے تو لارڈ مکالے کا نظامِ تعلیم بھی یہاں لے آئے تو انہوں نے یہاں آکر ایک ایسا نظامِ تعلیم رائج کیا جو سراسر کافرانہ خیالات و عقائد پر مشتمل تھا۔ اور یہاں بجائے اس کے کہ ہندوستانیوں کو شریکِ حکومت بنانے میں یہ نظام ممد و معاون ہوتا اس نظام نے اپنی صدیوں کی تہذیب و معاشرت کی بنیادیں متزلزل کر دیں اور مکمل طور پر ہمیں نئی تہذیب کا غلام بنا دیا۔ اس نظام نے ہمیں اسلام سے بیگانہ بنا دیا۔ بلکہ اس نظامِ تعلیم نے تو آپ کے ذہنی ڈھانچے، آپ کے رجحان اور تصورات تک کو بدل ڈالا ہے۔ علامہ اقبال بجا فرماتے ہیں ؎

مکتب کا جواں گرچہ زندہ نظر آتا ہے مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس

موجودہ نظامِ تعلیم کے تراشیدہ بُتانِ عصرِ حاضر جب قومی مسائل کا ادراک کرتے ہیں تو بالکل دوغلی ذہنیت اور اینگلو محمڈن طریقہ سے۔ بنا بریں آپ کے بجٹ میں جو چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اور جو محکمے نئے بنائے جاتے ہیں اُن میں سے کسی ایک میں بھی اسلامی تعلیم اور اسلامی روایات کو مدِّ نظر نہیں رکھا جاتا۔ اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا بجٹ اخلاقِ اسلامی کا آئینہ دار ہے۔ جب میں آپ کے سامنے ان تصوّرات کو پیش کرتا ہوں تو میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ حکومت کے بعض معتبر نائی اس کے متعلق یہ کہیں گے کہ دیکھئے جناب نیازی دیوانہ ہے بجٹ میں اسلام کو لے آیا ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کو ہی تمام مصیبتوں کا حل بتایا ہے۔ یہ معتبر نائی کہتے ہیں کہ کیا مسلم لیگ امرت دھارا ہے کہ ہر مسئلہ کو اس کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ وُہ معتبر نائی اس بات کو بھول گئے ہیں کہ یہ مسلم لیگ کی ہی بے پناہ قوّت تھی جس نے حکومت کے معتبر نائیوں کو آج حکومت کے ستون بنا دیا اور وُہ وزارت کی مونچھ کا بال بن گئے۔ یہ مسلم لیگ ہی تھی کہ جس نے ان لوگوں کو وزارت کی گدی پر بٹھا دیا جو زبان کھولنا اور قلم پکڑنا تک نہ جانتے تھے۔ کیا آج مسلم لیگ میں قوّت نہیں ہے؟ اور آج مسلم لیگ کی ضرورت نہیں ہے؟ اور اس کے لیے نئے محکمے نکالے جاتے ہیں۔ جب ان کو کہا جائے کہ تمہاری قومی جماعت تمہارے نشر و اشاعت اور دیگر تبلیغی و تنظیمی امور کو بطرزِ احسن سر انجام دینے کے لیے تیار ہے تو یہ لوگ کیوں ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مسلم لیگ کی اب کوئی ضرورت نہیں۔ اور کہ مسلم لیگ کی سرکاری حیثیت اب ختم ہو گئی ہے۔ وزارت مِل جانے کے بعد اب تو جمعداروں کی، نمبرداروں کی، ذیلداروں کی، سفید پوشوں کی اور آپ کے پبلسٹی افسروں کی ضرورت ہے۔ اور مسلم لیگ کی کیا ضرورت رہ گئی ہے اور اب وُہ اس سے کیوں کام لیں۔ وُہ اسے نہیں چاہتے جلنا دو پیہ آپ

پبلسٹی افسروں پر خرچ کر رہے ہیں اگر وہ آپ مسلم لیگ کی مقامی لیگ کمیٹیوں پر کریں اور اُن کی جائز مدد کرکے اور ان کے تعاون سے کام کریں تو آپ کا کام کتنا بہتر طریق پر ہو سکتا ہے۔ اس طرح سے آپ کو صرف ایک مرکزی محکمہ نشر و اشاعت کی ضرورت ہو گی جو پہلے بھی تھا۔ اس مرکزی دفتر کی امداد مسلم لیگ کی اضلاعی اور شہری شاخیں کریں گی۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آخر یہ مسلم لیگ ہی کی قوت تھی کہ جس نے آپ کو قعرِ مذلت سے اُٹھا کر بامِ ترقی تک پہنچا دیا ہے۔ پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ کے متعلق میں اپنے خیالات واضح طور پر ابھی آپ کے سامنے رکھوں گا۔ لیکن قبل اس کے کہ میں آپ کے سامنے رکھوں میں اُن چند باتوں کا جو محترمہ بیگم شاہنواز صاحبہ نے ابھی ابھی ارشاد فرمائی تھیں جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ انہوں نے یہ فرمایا کہ عورتیں بھی رائے دے سکتی ہیں۔ شاید اُن کو یہ غلط فہمی ہے کہ میں اُن کی رائے کو وقعت نہیں دیتا۔ انہوں نے میری کل کی تقریر کو نہیں سمجھا۔ میں نے کل جو حدیث پڑھی تھی اس میں رائے کا ذکر نہ تھا۔ امورِ سلطنت میں دخیل ہونے کا ذکر تھا۔ باقی رہا رائے رکھنے کا سوال اور مشورہ دینے کی بات تو کس احمق نے کہا ہے کہ عورتیں رائے نہیں دے سکتیں آپ رائے دے سکتی ہیں۔ اور آپ کی رائے سے ہم استفادہ کریں گے۔ پھر اسی سلسلہ میں آج یہاں پر ایوان میں میں نے ایک اور بات سنی تھی جو محترمہ بیگم تصدق حسین صاحبہ نے بیان کی تھی۔ انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ ہم اپنے حقوق کے لیے لڑیں گی۔ اسلام کی ساری تاریخ پڑھ جائیے اس میں کہیں بھی آپ کو اس نوع کی کلاس وار نظر نہیں آئے گی اور نہ ہی آپ کو اس قسم کی کوئی مثال ملے گی جہاں عورتوں نے اپنے حقوق کے لیے جنگ کی ہو آپ کے خدا نے آپ کے لیے حصہ مقرر کر دیا ہے، واضح حق مقرر کر دیا ہے۔ آج اگرچہ پاکستان بنا ہے تو کیا آپ پاکستان میں کلاس وار کو کھڑا کرنا چاہتی ہیں۔ آپ کو انشاء اللہ

اس کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ ہم سب یہاں اس لیے جمع ہیں کہ ملّت کے اجتماعی مسائل کا حل سوچیں۔ مسئلہ نسواں ہم سے جُدا نہیں ہے۔ یہ تو ہماری قومی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اور اس کی بابت کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ ہم پاکستان میں اب اِس قسم کی لڑائی کو نہیں کھڑا کرنا چاہتے جو کلاس وار ہو۔ چاہے یہ حقوقِ نسواں کے لیے ہو چاہے امیر و غریب کے درمیان ہو۔ ہماری جنگ تو صرف حق کے دشمنوں اور دین کے منکروں سے ہے۔ ہم دہریت کے تمام تصوّرات کو رد کرتے ہیں اور ان کی بجائے اسلامی اقدار و تصوّرات کو رواج دیتے ہیں۔ ہم قوم کا رُخ ماسکو (دارالخلافہ رُوس) کی بجائے MOSQUE یعنی مسجد کی جانب پھیرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے سامنے اللہ کے رسُول نے نہایت ہی ارفع اور اعلیٰ ترین تصوّراتِ زندگی پیش کیے ہیں کہ اگر ہمارے دوست چاہتے اور یقینی طور پر یہ ان کا فرض تھا کہ وُہ یہ چاہتے تو ان کے پیشِ نظر وُہ اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے نہایت اعلیٰ اقتصادی پروگرام پیش کر سکتے تھے۔ لیکن معاف کیجئے آپ ان تصوّرات کو کیسے پیش کر سکتے تھے۔ آپ تو مغرب کی چھوڑی ہوئی ہڈیوں کو دیکھ کر ان پر حریص کتوں کی طرح لپکنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ (ملک فیروز خاں نون۔ یہ غیر پارلیمنٹری الفاظ ہیں) میں انہیں واپس لیتا ہوں۔ حریص اور خود غرض انسانوں کی طرح لپک کر پڑنے والے کہتا ہوں۔ میں یہ چیز کلیتہً آپ کے اور اِس ایوان کے سامنے پیش کر کے اس کے متعلق مستحکم اور صحیح تصفیہ چاہتا ہُوں کہ اگر آپ اپنے آپ کو فرنگی کی مشینری میں فٹ نہیں کر سکتے تو اس کو چھوڑ دیں۔ فرنگی کی مشینری تو آپ کو کہیں کا نہ چھوڑے گی۔ اور آپ کا وُہی حال ہو گا جو کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ہوا۔ ولیم ہنٹر اپنی کتاب "INDIAN MUSSALMANS" میں لکھتا ہے کہ "ہندوستان میں لارڈ مکالے کے نظامِ تعلیم کے اجراء کے بعد وُہ مسلمان جو کہ ایک

آتشیں اور زبردست شریعت کے حامل تھے بے یارومددگار ہو کے رہ گئے۔ اور ہندوستان دارالحرب بن کر رہ گیا۔ بلکہ یہاں کے ہندوستانی ایک ایسی قوم میں بدل گئے جس کا جسم تو ہندوستانی تھا لیکن ان میں رُوح فرنگی کی کام کر رہی تھی"۔

اس حوالہ سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ فرنگی نظامِ تعلیم نے ہمیں اپنی تاریخ، اپنی روایات اور اپنے کلچرل سرمایہ سے بالکل بیگانہ بنا دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج کا مسلمان قوتِ تخلیق سے عاری ہو کر ہر بات میں مغرب کی نقالی کر رہا ہے۔ ہمارے رہنماؤں کے عقیم اور بانجھ ذہن تعمیرِ ملت اور استحکامِ سلطنت کے لئے نئی منصوبہ بندی کی بجائے اس وقت مسئلہ مہاجرین میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔ اور افسوس ہے کہ اس مسئلہ کا حل بھی اُنہوں نے کوئی تلاش نہیں کیا۔ نہ کوئی پلان ہے اور نہ ہی کوئی سکیم۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر ہمارے وزیرِ خزانہ بجٹ تیار کرتے وقت اسلامی محکمہ کو سامنے رکھتے تو مسلم لیگ اور پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ کے بعد اور ردِعملی کو قطعاً قبول نہ کرتے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو کام نیک ارادے اور خلوص سے شروع کیا جائے اُس کا انجام بھی درست ہوتا ہے۔ لیکن ہماری حکومت کوئی کام بھی خلوص اور نیک ارادے سے شروع نہیں کرتی۔ میں نے پبلسٹی کے افسران پر اخراجات کو مفصل دیکھا ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جس پر یہاں بحث کی جاتی۔ ذاتی طور پر اس محکمہ میں نہ تقرریوں سے اور نہ ہی اس کے دفتر سے مجھے کوئی دلچسپی تھی۔ مجھے کیا کہ "گاؤ آمد و خر رفت" ہماری بلا سے خواہ کوئی پبلسٹی افسر مقرر ہو۔ لیکن جب ہم نے آپ کو وزارت کی کرسیوں پر بٹھایا ہے تو کم از کم ہم سے مشورہ تو لیا جاتا کہ اس کام کے لئے کیا مشینری بنائی جانی چاہیئے اور کس طرح اپنی پالیسی کی نشر و اشاعت کا اہتمام ہو گا۔ جب مسلم لیگ کی بدولت آپ برسرِ اقتدار ہیں تو اُسے نظر انداز کیوں کیا جا رہا ہے۔ اب کوئی معتبر نائی

کہے گا کہ نیازی کے خیال میں مسلم لیگ کوئی امرت دھارا ہے۔ میں حکومت کے معتبر نائیوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ جو بالکل گونگے تھے اور انہیں قلم پکڑنے کا شعور نہ تھا آج ان کرسیوں پر مسلم لیگ کی بدولت ہی متمکن ہیں۔ اور مسلم لیگ ہی کی وجہ سے اُن کی سرکاری حیثیت بنی ہے۔ اب مسلم لیگ کو عضوِ معطل بنا کر تبت نئی محکمہ سازی اور کلرک نوازی کہاں تک جائز ہے۔ ہمیں مسلم لیگ کو ہی اپنی بنیادی ٹیک سمجھنا چاہیئے۔ اصل بات تو یہ ہے مسلمانوں کی پبلسٹی ان کے اعمال کے ذریعہ ہونی چاہیئے نہ کہ پبلسٹی کے ڈراموں اور پارٹیوں کے مروّجہ نظام سے۔ ایک مسلمان کی پبلسٹی تو مسلمان کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دُوسرے ہاتھ میں خود حفاظتی کی تلوار ہونی چاہیئے تھی۔ وُہ جہاں جاتے اُن کے اعمال اُن کی پبلسٹی ہوتے۔ اس کی پبلسٹی ہونی چاہیئے ایک برسرِ اقتدار گروہ کی ذاتی اغراض اور آئندہ کے منصوبوں کی ہمیشہ انگریز کی چھوڑی ہوئی ہڈیوں کو نہیں چبانا چاہیئے۔ بلکہ ہمارا اپنا نظام موجود ہے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ ہمارا نظام بتاتا ہے کہ مومن کا تصوّر آفاقی ہے تسخیرِ عالم کا جذبہ اُس کی سرشت میں داخل ہے۔ وہ تو دُنیا کے کسی خطّہ میں سر چھپانے کو جھونپڑا کے طور کچھ ٹکڑا زمین لے بیٹھتا ہے اور وہاں پر اپنی خودی کو مرتکز کر کے چار دانگِ عالم پر اپنی تسخیری قوتوں کو غالب کرتا ہے۔ ہم اس تصوّر کو سامنے رکھتے ہوئے ہندوستان کی اس ملکی تقسیم پر قانع نہیں ہو گئے بلکہ ہمارا پروگرام تو تسخیرِ عالم کا پروگرام ہے۔ ہم صرف ایک قوم نہیں ہیں بلکہ ایک اُمت ہیں جو خود ایک الگ نظام رکھتی ہے جس کے عناصرِ ترکیبی میں ہی اس کا آئین موجود ہے۔ ہمیں اس نظام پر عمل پیرا ہونا ہے لیکن افسوس ہماری سیاست کا ابھی تک وہی فرنگیانہ انداز ہے۔ یہاں سامراجی فکر و نظر ہے جو ہماری مِلّی تعمیر میں رخنہ اندازی کر کے ہمیں اپنے مقصود سے دُور پھینک رہا ہے۔ ہمیں فرنگی کے ملعون، مردود، تثلیث اور ناپاک نظام کا قطعی استیصال کرنا ہے۔ اور اس کی

تخریب پر اپنی تعمیر کرنا ہے۔

مجھے غیر اسلامی تصوّر سے اس قدر نفرت ہے کہ یہ الفاظ از خود زبان سے نکل گئے جناب والا اگر ان اینگلو محمڈن ارکان کے سامنے کوئی تجویز پیش کی جائے تو کہا جاتا ہے کہ اسے "آئین ساز اسمبلی" میں پیش کیجئے یا قائدِ اعظم کے ہاں پیش کیجئے۔ بلا شُبہ قائدِ اعظم ہمارے محسن ہیں۔ اور اُنہوں نے ایک سو سال کے بعد پھر ہمیں ہندوستان کے نقشے پر جگہ دلادی ہے لیکن ہمارے عقیدہ و نظر کے مسائل ایسے ہیں جنہیں ہم خود سلجھا سکتے ہیں، حلال و حرام کی تمیز ہم خود کر سکتے ہیں ہمیں قرآن نے ان امور کی بابت واضح احکامات دے دیئے ہیں۔ ہم "حدودِ اسلامی" میں کسی کی انتظار نہیں کرنا چاہتے۔ محکمہ آبکاری کو لیجئے۔ اسلامی تصوّر کو سامنے رکھیں تو ہمیں اس محکمہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ شراب پینا اور پلانا دونوں حرام ہیں۔ اور اُس کے لیے محکمہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسے سرے سے اُڑا دینا چاہیئے۔ بلکہ اس کی جگہ ایک محکمہ احتساب ہونا چاہیئے جو شرعی قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے سکے۔ ایسے مولوی سب انسپکٹروں کی ضرورت نہیں ہے جنہیں انسپکٹر جنرل پولیس بھرتی کر رہا ہے۔ بلکہ ہمیں تو ایسے مولوی چاہئیں جو لغزش کرنے پر انسپکٹر جنرل پولیس کو بھی دُرّے لگا سکیں۔ ہمارا عدالتی اور انتظامی نظام ایک دُوسرے سے جُدا ہے۔ ایک دفعہ فارُوقِ اعظم حضرت شریح کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہُوئے۔ حضرت شریح تعظیماً کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ انصاف کے سراسر منافی ہے۔ عدالت میں مدعا علیہ اور مدعی دونوں برابر ہیں۔ اُن کے ساتھ ایک سا سلوک ہونا چاہیئے یہ ہیں ہماری روایات۔ ہمارے ہاں عدالت نے ہی ہمیشہ ظالمیت کی گردن خم کی ہے اور اُسے صحیح طریق پر چلایا ہے۔ افسوس کہ ہم نے اپنی روایات پارینہ کو ترک کر دیا۔ دلولۂ جہاد فی سبیل اللہ دوبارہ پیدا کرنے

کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر مغربی پنجاب میں اِس چیز کی کمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وُہ خطّہ دیا ہے جہاں پر آپ کو مجاہدین کی لاتعداد جمعیت مل سکتی ہے اِسی پنجاب کے بل بوتے پر تو انگریز نے ۱۸۵۷ء کے انقلاب کو دبایا تھا۔ پہلی جنگِ عظیم فتح کی تھی۔ اور دُوسری جنگِ عظیم میں اِٹلی و جرمنی کو شکستِ فاش دی ہے لیکن آج اس کے بجٹ میں ۵ کروڑ روپے کا خسارہ دکھایا جا رہا ہے۔ یہ کس کا قصور ہے؟ سارا قصور رہنماؤں کا ہے۔ ساری خداوندانِ اقتدار کی بے تدبیری اور غیر مستقل مزاجی کا سبب ہے لیکن کیا ہو سکتا ہے۔ افسوس آج ہمیں ضرورت تھی محمد بن قاسم کی۔ لیکن مِل کون گئے؟ محمد شاہ رنگیلے۔ ہمیں ضرورت تھی احمد شاہ ابدالی جیسے مجاہدین کی۔ اور ہماری قسمت کے مالک کون بن گئے؟ واجد علی شاہ۔

محمد شاہ رنگیلا تو بادشاہ تھا ہمارے وزراء کس شمار قطار میں ہیں۔ وُہ اِن سے بہتر تھا۔ ہمیں اِس وقت جہاد، جفاکشی، محنت اور اخلاص کی ضرورت ہے۔ اور اگر اِس وقت ہم نے اِن صفاتِ مومنانہ اور مجاہدانہ کو اپنا لیا تو ہماری سلطنت جہانگیر ہوگی اور ہم بفضلِ تعالیٰ خُدا کے باغیوں سے اُس کی پاک زمین واپس لے کر دم لیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (القرآن)

(جو ہمارے راستے میں جہاد کرتے ہیں ہم اُن کے لئے راہیں کھول دیتے ہیں)

آپ بھی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے قدم اُٹھائیں گے تو فتح و نصرت آپ کے قدم چُومے گی۔ آج بھی اگر ہم اپنے اندر یہ خصوصیتیں پیدا کر لیں تو ہماری مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے۔ ہم تو اِس وقت کنبہ پروری اور اقربا نوازی میں لگے ہُوئے ہیں۔ جو لوگ پبلسٹی افسر مقرر ہُوئے یا جو ڈائریکٹر صاحبان ہیں۔ اُن پر بے اندازہ خرچ ہو رہا ہے اور سراسر فضول۔ مَیں نے پبلسٹی کے محکمہ کے اخراجات میں دیکھا ہے

کہ افسران کی تنخواہ کے سامنے "اداشدہ" لکھا ہوا ہے مشترکہ تنخواہیں دی ہوئی ہیں لیکن علیحدہ علیحدہ نہیں دکھائی گئی ہیں۔ حالانکہ فرنگی کے زمانہ میں ہر ملازم کی تنخواہ الگ الگ دکھائی جاتی تھی۔ اب ان افسران کی تعلیمی قابلیت اور جوہر ذاتی کا حال سنیئے ان میں اکثر تو میٹرک فیل ہیں۔ اکثر ایسے ہیں کہ جن کا نام پہلی بار سننے میں آیا ہے۔ انہوں نے مسلم لیگ کی کیا خدمات سرانجام دی ہیں۔ مجھے قلق ہوتا ہے کہ ہمارے وزرا بھی انہی گندے طریقوں پر چل رہے ہیں جو یونینسٹ وزارت کے طریقے تھے جنہیں اس قدر بلند عہدوں پر فائز کر دیا گیا ہے کہ وہ اس کے اہل نہیں۔ یہ ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں اس قدر ذمہ دار عہدوں پر فائز کیا جائے لیکن معیارِ انتخابات قابلیت کوئی مقرر نہیں۔ بلکہ وزارتی کوٹھیوں کا طواف ہے۔ اگر خواہ مخواہ اپنی وزارت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے ایسے حاشیئے کی ضرورت بھی تھی تو اُن کا تقرر ملازمت کے متعارف اور مروجہ اصول وطریق پر ہوتا۔ اور ان افسران کے انتخاب کا معاملہ پبلک سروس کمیشن کے سپرد کیا جاتا۔ باقاعدہ انٹرویو ہوتے۔ جو موزوں ہوتا اُسے تعینات کیا جاتا۔ لیکن یہاں یہ ہوا ہے کہ جو زیادہ خوشامدی اور چاپلوس تھا اُسے بڑا عہدہ دیا گیا ہے۔ اور اس طرح سے خضر کی طرح "وزارتی بھانڈوں" کا ایک گروہ مقرر کیا گیا ہے جو قوم کے روپیہ سے چل رہا ہے لیکن گُن گن کے گائے گا وزارت کے۔

جناب والا! میں نے تو صرف افسران کے فرائضِ مفوضہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کی قابلیت تو وزیرِ متعلقہ کی ذاتی پسند ہے لیکن یہاں قابلیت کو کون پوچھتا ہے یہاں بھی انگریز کی طرح خوشامد ہی کی قدر کی جاتی ہے۔ وہی فرنگیانہ انداز اور وہی فکر ونظر ہے۔ فرنگی کی چھوڑی ہوئی ہڈیوں کو چبایا جا رہا ہے۔ کیا اس طرح سے ہماری وزارت پبلسٹی کو مضبوط بنا رہی ہے؟ جب اس کی بنیاد ہی خودغرضی پر ہے۔ اور جب اس محکمہ کی تخلیق ہی مفت خوروں کو قومی بیت المال سے پالنا ہے تو ہماری وزارت نے

امانت اور دیانت میں کون سا نمونہ پیش کیا ہے۔

اگر آپ پاکستان کو ایک اسلامی سلطنت اور مرکزِ رشد و ہدایت بنانا چاہتے ہیں تو آپ کو اِس امر کا احساس کر لینا چاہیئے کہ آپ کو فرنگی نظام کے تمام نقش و نگار ختم کرنا ہوں گے۔ اور اسے مٹا کر اپنے معتقدات کی روشنی میں اور اپنے نظریات کی متابعت میں اپنا الگ نظامِ حکومت پیش کرنا ہو گا۔ آپ کو اپنا نظام خود بنانا ہے۔ اپنا قانون بنانا ہے، اپنا آئین بنانا ہے۔ آپ اپنی ذمہ داری "آئین ساز اسمبلی" پر ڈال کر اس سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ آنریبل وزیرِ تعلیم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری آئندہ ترقی کے لیئے ضروری ہے کہ تاریخ کو از سرِ نو مرتب کیا جائے۔ اب تک فرنگی اسے اپنے ناپاک مقاصد کے لیئے استعمال کرتا رہا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ اس کی از سرِ نو تدوین ہو۔ علاوہ ازیں ایک محکمہ مقرر کیا جانا چاہیئے جو ہمیں اپنے لیئے دینی نظام اختیار کرنے کے بارہ میں غور و خوض کر کے مشورہ دے سکے۔ جو ہمارے سیاسی نظام میں ایسی تبدیلیاں پیدا کرنے کے بارے میں سوچے، جو ہمیں اسلام سے زیادہ قریب لائیں۔ ضرورت تھی کہ اس وقت تک محکمہ تعلیم کی طرف سے اسلامی ریسرچ کے لیئے کوئی چیئر مقرر کر دی گئی ہوتی۔ اگر ایسے کاموں کے لیئے ۵ کروڑ کی بجائے بجٹ میں دس کروڑ کا بھی خسارہ دکھایا جاتا تو ہم اسے خوشی سے قبول کرتے۔ اگر اس کے لیئے ہمیں اور ٹیکس بھی دینا پڑتے تو ہمیں قطعاً کوئی عذر نہ ہوتا۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری مذہبی تعلیم دنیوی تعلیم سے جدا نہیں ہے۔ ہم ان دونوں کو الگ الگ نہیں کر سکتے۔ ہمارے نزدیک مذہب اور سیاست ایک ہی چیز ہیں۔ ہمارا سیاسی راہنما وہی ہے جو ہمارا مذہبی راہنما بھی ہو۔ ہٹلر اور فاروقِ اعظم یا حیدرِ کرار کی خودی میں یہ فرق ہے کہ ہٹلر خدا کے قانون کا پابند نہیں مگر فاروقِ اعظم اور حیدرِ کرار آئینِ خداوندی یعنی شریعت کے پابند ہیں۔ اور اسی لیئے اول الذکر کافر ہے اور مؤخر الذکر حضرات مومن بلکہ مومنوں

کے سردار ہیں اس وقت آپ کی اپنی حکومت ہے۔ آپ کو اختیار حاصل ہے کہ جو قانون چاہیں بنا سکیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد سامنے رکھنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِیْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِیْ شَيْئًا ؕ (القرآن)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے ساتھ کہ جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کئے وعدہ کیا ہے کہ اُنہیں زمین پر سلطنت اور حکمرانی عطا کرے گا جس طرح کہ اُن سے پہلے ایمان دار اور نیکو کار بندوں کو حکومت و سلطنت عطا کی تھی اور یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ اُن کے لئے اُن کے دین کو مضبوط و محکم بنا دے۔ اس دین کو جو کہ اُن کے پسندیدہ ہے۔ اُن کے خوف کو امن و امان سے بدل دے۔ یہ لوگ مجھے اپنا حاکم اور بادشاہ مان کر میری عبادت کریں اور میرے اقتدار و اختیار میں کسی دُوسرے کو شریک نہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمہیں خلافت اور سلطنت دیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہمارے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کرو۔ ہمارے نظام کو نافذ کرو۔ باطل سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ میرے بندے بنے رہو۔ بلاچون وچرا میرے حکم کو مانو۔ صرف میری شریعت کی پیروی کرو۔ امریکہ کا قانون نہیں۔ جرمنی کا قانون نہیں۔ انگریز کا قانون نہیں۔ صرف اسلامی قانون اور صرف اسلامی شریعت اور اس کی پوری پوری متابعت۔ یہ نہیں کہ پچاس فی صدی مسلمان اور پچاس فی صدی کچھ اور کچھ چیزیں اسلامی شریعت سے لے لیں اور کچھ کافرانہ نظاموں سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ○ (القرآن)۔ (ترجمہ) اے ایمان دارو! اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ اور شیطانی اعمال کی اتّباع نہ کرو۔

میں آنریبل وزیرِ تعلیم سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اِدھر توجّہ فرمائیں اگر ہماری حکومت نے اسلامی ریسرچ کے لیئے کوئی ایسا ادارہ قائم کیا ہوتا جو اسلامی تمدّن کے سلسلہ میں یا ہمارے نظامِ سیاسی کے بارے میں کچھ کام کرتا تو میں آج اسے مبارک باد پیش کرتا۔ مگر اب میرے لیئے انہیں مبارک باد پیش کرنا مشکل ہے۔

میں آنریبل وزیرِ تعلیم کے سامنے تین چیزیں پیش کرتا ہوں جو بہت ضروری ہیں اور کوئی کام کرنے کے لیئے ان پر عملدرآمد کرنا لازمی ہے۔ سب سے پہلے تعلیم پھر صحت اور تیسرے حربی تربیت۔ میں ان میں سے تیسری چیز کو بہت ضروری سمجھتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ وہ اپنے آئندہ بجٹ میں جو ہمارا مستقل بجٹ ہوگا ان چیزوں کو ضرور سامنے رکھیں گے اور ایسی تجاویز لائیں گے جن کا اثر صوبہ کے دور دراز کونوں میں بھی پہنچے۔ ہمیں پڑھے لکھے لوگوں نے اگر ووٹ دیئے تھے تو صرف اس لیئے کہ انہیں اُمید تھی کہ ہم برسرِ اقتدار آنے کے بعد ملک میں ایسی تبدیلیاں لائیں گے جو ملک کو اسلامی رنگ میں رنگ دیں گی۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک اس قسم کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تعلیم اور صحت کا مسئلہ بھی بے حد اہم ہے۔ لیکن ہماری قوم کے نوجوانوں کی تعلیم کا حال ناگفتہ بہ ہے۔ بہت سے نوجوان طلباء ایسے ہیں جن کی رہائش کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں۔ جن کی خوراک کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں۔ ایک ایک کمرے میں پانچ پانچ نوجوان گھسے ہوتے ہیں اور کمرے بھی ایسے جو غسل خانوں سے بھی بدتر ہیں۔ اور جن کی صفائی کا بھی کوئی انتظام نہیں غسل خانوں اور بیت الخلاؤں کا حال ناقابلِ بیان ہے۔ یہ نوجوان متاعِ قوم ہیں۔ ہماری آئندہ کی

اُمیدیں اِن پر رہی ہیں ہمیں ان کی تربیت کرنا ہے نہ کہ انہیں اس طرح ضائع کرنا۔ اُمید ہے کہ حکومت آئندہ کے لیئے صحت اور حربی تربیت کے علاوہ ہماری تعلیم کے بارے میں ایسی تجاویز کو سامنے رکھے گی جو خدا اور خدا کے رسُول کے منشا کے مطابق ہوں تعلیم کے سلسلہ میں ایک دلچسپ مد اینگلو انڈین تعلیم کی مد ہے۔ اب تو ہم ہندوستان سے بھی الگ ہو چکے ہیں اور انگریز سے بھی چھٹکارا حاصل کر چکے ہیں اَب تو ایسی چیزیں نہیں رہنی چاہئیں ؎

باطل دُوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

خدا علامہ اقبال کو غریق رحمت کرے کیا بات فرما گئے ہیں۔ مومن اگر مومن ہے تو اُس کا باطل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اینگلو کا محمڈن کے ساتھ کیا ربط ہو سکتا ہے (ایک آواز یہ اینگلو انڈین ہے) پھر اس سے بھی بد تر ہے کیونکہ دو باطل ایک جگہ جمع ہو جائیں تو خباثت بن جاتے ہیں۔ (قہقہہ)

جناب والا! اَب میں جیلوں کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں محترمہ بیگم صاحبہ مجھ سے پہلے حکومت کی توجہ اس کی طرف منعطف کرا چکی ہیں ہمیں اپنی آزادی کی جدوجہد میں کچھ عرصہ کے لیئے جیلوں میں جانے کا موقع ملا تھا۔ اور ہم وہاں کی حالت اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں ہم دیکھ چکے ہیں کہ قیدیوں سے چارپایوں سے بد تر سلوک ہوتا ہے اُن کی خوراک کا تسلی بخش انتظام نہیں جیل کے اندر جو کوئی جاتا ہے اُسے وہاں کے ملازمین اور افسران بے رحم اور خطرناک درندوں کی طرح دبوچ لیتے ہیں ہمیں اَب اپنے اُن ہم صفیران قفس کو بھول نہیں جانا چاہیئے۔ اَب جب کہ ہمیں اقتدار حاصل ہو چکا ہے۔ ہمیں سب سے پہلے یہ کام کرنا چاہیئے کہ ان جیل خانوں کو اصلاح خانوں میں تبدیل کر دیں۔ تاکہ قیدی وہاں کچھ سال قید کاٹنے کے بعد وہاں سے اصلاح یافتہ

ہو کر نکلیں۔ اب انگریزی حکومت نہیں، اب قومی حکومت ہے، ہماری اپنی حکومت ہے اور اس کی کوشش ہونی چاہیئے کہ یہاں کے تمام انسانوں سے بہتر سلوک کیا ہو۔ ضرورت ہے کہ فرنگی کے بنائے ہوئے منحوس قوانین کے مسموم اثرات سے اس ملک کو جلد از جلد پاک صاف کیا جائے ؎

افرنگ ز خود بے خبرت کرد وگرنہ
اے بندۂ مومن تو بشیری و نذیری

تجھے فرنگی نے اپنے آپ سے بے خبر کر دیا ہے۔ ورنہ تو دنیا کو بشارتیں سنانے والا اور ڈرانے والا ہے ؎

اے اسیر رنگ پاک از رنگ شو
مومن خود کافر افرنگ شو

آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ فرنگی تصورات سے خواہ وہ کسی نوع کے بھی ہوں انکار کر دیں اور اسلامی تصورات کو اپنائیں۔ اُن سے وابستہ ہوں اور انہیں عملی صورت میں لانے کی کوشش کریں۔ جناب والا! مجھے ان تمام تکلیفوں اور دقتوں کا احساس ہے جو ان تمام چیزوں پر عمل پیرا ہونے کے راستے میں حائل ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ تبدیلیاں ایک دن میں نہیں لائی جا سکتیں۔ مگر ہمارے وزراء اپنے لیئے یہ راستہ تو مقرر کریں۔ اپنی منزلِ مقصود تو ان تبدیلیوں کو قرار دیں۔ مگر یہاں تو صورت ہی دوسری ہے ؎

ترسم کہ بکعبہ نرسی اے اعرابی
کیں رہ تو می روی بہ انگلستان است

وہ ایسا راستہ متعین کریں جس سے معلوم ہو کہ وہ اس طرف جا رہے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم صبر و تحمل سے انتظار کر سکتے ہیں ہم انہیں وقت اور مہلت

دے سکتے ہیں اور اس صورت میں ہم ان کی پوری پوری تائید اور حمایت کریں گے ہمیں اپنے وزیر صاحبان سے کوئی حسد نہیں، کوئی رقابت نہیں۔ وہ ہمارے بھائی ہیں، وہ ہمارے سردار ہیں۔ اور ہم میں سردار وہی ہے جو قوم کا سب سے زیادہ خادم ہو۔

اس وقت میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے بعض معزز دوستوں نے یہ تجویز پیش کی ہے اور جیسا کہ میاں محمد نوراللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ ہمیں اسلامی روایات کے مطابق عمل پیرا ہونا چاہیئے اور اسلامی قانون نافذ کرنا چاہیئے۔ آج انسان کی قدر پیسے سے کی جاتی ہے۔ یہ بالکل غیر اسلامی چیز ہے۔ ہمیں انسان کی قدر کا اندازہ اس کے اعمال سے لگانا چاہیئے۔ یہ فرنگی کا نظریہ تھا کہ جو شخص سو روپے ماہوار تنخواہ لیتا تھا، اسے اس شخص کی نسبت حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جو دو یا تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ پاتا ہو۔ انگریز کی دیکھا دیکھی ہم نے بھی یہی معیار قائم کر لیا۔ اور کم تنخواہ مثلاً پچاس یا ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ پانے والے شخص کو بالکل نظروں سے ہی گرا دیا۔ افسوس کہ آج مسلمان اسلامی تاریخ اور اپنی قوم کی سنہری روایات فراموش کر چکا ہے کیا آپ کو معلوم ہے کہ صدیق اکبرؓ کیا تنخواہ لیا کرتے تھے۔ ان کی تنخواہ صرف اسّی روپے ماہوار تھی۔ اسی طرح حضرت فاروقِ اعظمؓ ایک صد روپیہ ماہوار اور حضرت عثمانؓ کا حال تو نرالا تھا۔ وہ بیت المال سے ایک حبہ تک نہ لیتے تھے اور ان کی کوئی تنخواہ نہ تھی۔ مگر کیا ان کا معیارِ زندگی کم تھا، ہر گز نہیں ؎

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

ہمارے سامنے اپنے اسلاف کی ایسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ انہوں نے جو کی روٹی کھائی لیکن میدانِ جہاد میں شیرانِ غضباب سے بڑھ کر تھے۔ آج بھی اگر ہم اپنے اندر یہ کیفیت پیدا کر لیں تو وہی دوبارہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہم پھر ایک بار اس

رُبع مسکوں میں ! نادِ علیؑ ۔ غیوری کا ڈنکا بجا سکتے ہیں۔ آج پٹیل بڑے رُعب اور فخر سے کہتا پھرتا ہے کہ ہم سومناتھ کو دوبارہ تعمیر کریں گے۔ ہم اس کی وُہی شان و شوکت بحال کریں گے جو اس کے شہرۂ آفاق ہونے کا موجب تھی۔ مَیں کہتا ہوں ہمیں اور کیا چاہیئے۔ ہم اس بُت پرست کے چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے اسوۂ شبیریؑ موجود ہے۔ اور اب بھی اس کی صدا ہمارے کانوں کو سُنائی دے رہی ہے کہ ع

حقّا کہ بنائے لَا اِلٰہ ہست حسینؑ۔ خوب فرمایا حضرت علاّمہ اقبال نے ؎

ریگِ عراق منتظر دشتِ حجاز تشنہ کام
خُونِ حسینؑ بازدہ کُوفہ و شامِ خویش را

آج مُسلمانوں کے لِئے غور کا مقام ہے۔ انہیں بھی اِسلامی روایات کو مدِّ نظر رکھتے ہُوئے اس کی باتوں پر ذرا گہری نظر ڈالنی چاہیئے۔ وُہ اگر سومناتھ بنا رہا ہے تو بڑی خوشی سے ایسا کرے، وُہ اسے تعمیر کرلے۔ اس کے لِئے ضرور کوئی غزنوی پیدا ہوگا۔ ہم اس کی گیدڑ بھبکیوں سے گھبرانے والے نہیں۔ شعر ؎

کارگہِ حیات میں کیا کوئی غزنوی نہیں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر دیر و حرم کے سومنات

مَیں کہتا ہُوں کہ ہم اس کا یہ چیلنج قبول کرتے ہیں۔ ہم بُت شکن ہیں بُت پرست نہیں۔ ہم اپنی روایات اور اِسلامی اخلاق کے مطابق اس سومناتھ پر چڑھائی کریں گے اور خُدا کے فضل کرم سے فتح و نصرت بالآخر ہماری ہوگی۔ ہم کامیاب ہوں گے اور دُشمن جو اس وقت ہماری نرمی اور بُردباری سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش میں ہے بُری طرح پسپا ہوگا۔ اور سومناتھ کی تعمیر کرنے والے ذلیل و رُسوا ہوں گے۔

جب سے فرنگی ہندوستان پر قابض ہوا اُس نے مُسلمان پر قابو پانے کی

غرض سے اُسے گمراہ کیا۔ حاکم ہوتے ہُوتے محکوم کو دماغی اور ذہنی لحاظ سے پسپا کیا ورنہ فرنگی دماغی اور ذہنی لحاظ سے مسلمان سے کسی طرح بھی بہتر نہیں تھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہُوں کہ اگر آپ فرنگی کے غلبے اور تسلّط کو اپنے دماغ سے نکال دیں، اسے بالکل فراموش کر دیں۔ اور صحیح اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں پر نظر دوڑائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں میں ایسے ایسے دماغ موجود ہیں جو محض حوصلہ افزائی کے محتاج ہیں۔ اور اگر انہیں سوچنے اور کام کرنے کے مواقع دیئے جائیں تو وہ ہماری قوم کا بہترین سرمایہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں میں، ایسے ایسے ہنرمند لوگ ہیں جو بہترین قسم کا اسلحہ تیار کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ انہیں کبھی موقع ہی نہیں دیا گیا اور حوصلہ افزائی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں یہ تجویز کروں گا کہ اِس وقت جب کہ ہماری قومی حکومت معرضِ وجود میں آچکی ہے۔ اور ہمیں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں ان کے لیے اِنعامات مقرر کرنے چاہئیں۔ تاکہ وہ مسلمانوں کی بہتری کے لِئے اور اپنی قوم اور حکومت کے استحکام کے لِئے مفید مشورے اور تجاویز پیش کر سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے ہنرمند لوگ ہماری قومی ضروریات کے کفیل ہو سکتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس قوم کو وہ جوہر عطا کیے ہیں کہ اسے کسی غیر قوم یا شخص کی اِمداد کی ضرورت نہیں۔ اور اس کے افراد ہر کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتے ہیں۔ میں مانتا ہُوں کہ انگریز نے علوم و فنون میں ترقی کی اور اپنی مکاری اور حیلہ بہانوں سے دُنیا کو بے وقوف بنائے رکھا۔ مگر آپ کو یہ بات فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ جو کام عربوں نے سرانجام دیا اور جو ترقی علُوم و فنون کی دُنیا میں اُنہوں نے کی، انگریز کا سر بھی اس کے سامنے جھکتا ہے۔

"The Arab" says Draper "has impressed his intellectual stamp upon Europe and not in too remote a future will christendom concede this truth
(Intellectual Development of Europe—The Middle Ages Draper.)

ڈریپر اپنی کتاب "ازمنہ وسطیٰ میں یورپ کا ذہنی ارتقاء" میں اقرار کرتا ہے کہ عربوں نے اپنی قابلیت کا سکہ سارے یورپ میں بٹھا دیا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب عیسائی دنیا اس حقیقتِ ثابتہ کا اقرار کرلے گی"۔ آج ہم فرنگی کی ایجاد کردہ چیزوں کو انتہائی تعجب اور حیرانی سے دیکھتے ہیں۔ یہ محض اس لیئے کہ ہمیں انگریز نے اپنے عہدِ حکومت میں علوم و فنون کے سلسلے میں گمراہ کیئے رکھا اور ہمیں صحیح معنوں میں اُن سے بہرہ مند نہ ہونے دیا۔ تاہم مَیں آپ کو یقین دِلاتا ہُوں کہ اِن مظالم اور جور وستم کے باوجُود بھی آج پاکستان کا مسلمان علُوم و فنون سے اتنا بے بہرہ نہیں جتنا اسے خیال کیا جاتا ہے۔ مَیں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ ہمارے ہاں ایسے ایسے لوہار موجُود ہیں جو بہترین قسم کا اسلحہ تیار کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اِن ہُنر مندوں سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو وُہ ہمیں بہترین قسم کا اسلحہ مہیّا کر سکتے ہیں۔ ابھی کل ہی میرے پاس ایک لوہار آیا ہُوا تھا جو مجھے بتا رہا تھا کہ وُہ (ANTI AIRCRAFT GUN) تیار کر سکتا ہے (قطع کلامیاں) مَیں غلط نہیں کہتا۔ اگر آپ بھی اس سے مِلنا چاہیں تو مَیں آپ کو بھی مِلا سکتا ہُوں۔ ہاں تو مَیں عرض کر رہا تھا کہ اگر ہم اپنے ہُنر مند اور صنعت پیشہ لوگوں کو تقویّت پہنچائیں اور اُن کی حوصلہ افزائی کریں تو ہمیں فرنگی یا کسی غیر ملک کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ مَیں حکومت پر زور دُوں گا کہ وُہ ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرے اور اُن کے لیئے ایک BRAIN TRUST قائم کرے، جہاں پر بہترین سکیم اور اختراع و اکتشاف پیش کرنے والوں کو اعلیٰ ترین سہولتیں اور گرانقدر انعامات و اعزازا

دیئے جائیں اور اپنی ضروریات کی کفیل ہونے کے لیئے یہاں کارخانے قائم کرے صنعت دروں کی حوصلہ افزائی کرنے سے ملک کو دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ ہمارے ملک میں صنعت ترقی کرے گی اور دوسرے یہ کہ ملک دولت مند ہوگا اور ایسی مشکلات جو اس وقت ہمارے ملک کے لیئے پریشانی کا باعث ہیں حل ہو جائیں گی۔ اور اسلحہ وغیرہ یا کسی اور قسم کا سامان جو اِس وقت ہمارے پاس نہیں ہے اور اگر ہے تو بہت ہی قلیل مقدار میں بافراط پیدا ہونا شروع ہو جائے گا۔ جناب صدر میں آپ کی وساطت سے یہ چیز اپنے وزراء صاجبان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اِس وقت خالی پروپیگنڈہ ــــ یا پبلسٹی ــــ کی چنداں ضرورت نہیں، ضرورت تو عمل کی ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ عوام کی زندگی کے ہر شعبے میں عملی رنگ پیدا کرے۔ یہ حکومت خداداد پاکستان ہے، یہ ایک اسلامی حکومت ہے۔ ہمیں اس کی بنیادوں کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لیئے عوام کو بیدار کرنا چاہیئے۔ اور ملکی ترقی کے لیئے عوام کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔

آج ہمارے سامنے زندگی کا معیار صرف روپیہ ہے۔ مگر میں اسے کوئی معیار نہیں سمجھتا۔ یہ سبق لوگوں کو فرنگی کے مدرسے نے پڑھایا ہے۔ اور یہ نظریہ اس کا پیدا کردہ ہے کہ جس کاغذ پر بادشاہ کی مورت ہو وہ روپیہ ہے۔ اور یہی انسان کی قدر و قیمت کا معیار ہے۔ مگر دولتِ ایمان قوم کے نوجوانوں کے سرخ اور گرم خون کو روپیہ نہیں سمجھا جاتا، کاغذ کے ذلیل ٹکڑے کو روپیہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر کرنسی کا یہ تصور بدل جائے اور آپ اپنی قوم کے افراد کو نشو و نما کا پورا موقع دیں تو آپ دیکھیں کہ پاکستان کے اندر ہر کاریگر اپنی بھٹی کے سامنے بیٹھ کر اعلیٰ ترین ہتھیار تیار کرے۔ اور پاکستان کا کسان یہاں کی سرزمین کے چپہ چپہ اور انچ انچ کو گلزار بنا دے اور اس سے سیم و زر اگلوا دے۔ آخر کرنسی کیا ہے، یہ تو کسی قوم کی ہمت، محنت اور قوتِ تخلیق

کی ایک علامت ہے جس کے بدل جانے سے کائنات بدل جاتی ہے۔ صحیح مسلمانوں کی نگاہ میں دولت کوئی چیز نہیں۔ یہ CURRENCY کیا ہے، یہ انگریز کی پیدا کردہ چیز ہے۔ اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مگر مسلمان جس کے پاس قرآن پاک جیسی نعمت موجود ہو، کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث ہے کہ:-

لا تجتمع امتی علی الضلالۃ۔ یعنی میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی

(قطع کلامیاں)

جناب والا! یہ بجٹ ہمیں قبول ہے۔ اور مَیں جُملہ ممبران کی خدمت میں عرض کروں گا کہ یہ بجٹ ان کے لیئے کسی طرح نقصان دِہ نہیں۔ آپ اس پر ایک طرف نظر دوڑانے سے اپنے مستقبل کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ قبول اِس صُورت میں کہ ہماری تجاویز کو سامنے رکھا جائے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے مَیں نے پچھلے دِنوں ایک بیان دیا تھا یعنی اس وقت جب کہ ابھی آپ کو اختیارِ وزارت نہیں مِلا تھا۔ مَیں نے اس وقت یہ کہا تھا کہ ہماری پولیس کے محکمہ کے ملازم یا نئے بھرتی شدہ سپاہی جب پھلور ٹریننگ کے لیئے جاتے تھے تو وہاں اُنہیں دوڑنے کُودنے کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔ مگر وہاں کے دستور کے متعلق مجھے یہ بتایا گیا کہ جو ملازم یا نیا بھرتی شدہ سپاہی اپنے آپ کو اِسلامی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتا تھا اُسے اِنتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور ایسے شخص کو وہاں کے افسر اور پرنسپل بہت حقیر جانتے تھے۔ یہ انگریز کا فعل تھا۔ وُہ ہمیشہ مسلمان کو خدا کے احکام کی بجا آوری سے باز رکھ کر گمراہ کرنے کی اِنتہائی کوشش کیا کرتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اِسلامی زندگی کی خصُوصیات کیا ہیں۔ اور اس میں کتنی قوت ہے۔ مگر مَیں سمجھتا ہُوں کہ پولیس کی اِس ٹریننگ کی تربیت خداوند تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کرنے والوں کو کب تک ایسا کرنے سے روک سکتی تھی۔ کس قدر شرم اور

افسوس کا مقام ہے کہ خداوند تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں اور ڈاڑھی رکھ کر اپنے رسُولِ مقبُول کی سُنّت پر عمل کرنے والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ میں آپ کی وساطت سے حکومت پر زور دُوں گا اور پولیس کے عملے اور افسروں سے یہ اپیل کروں گا کہ وُہ اپنا پُرانا نظریہ بدل ڈالیں۔ اور اب جب کہ ہماری قومی حکومت قائم ہو چکی ہے، اپنی قومی روایات کے پیشِ نظر اپنا فرض نہایت تندہی اور جانفشانی سے سرانجام دیں۔ انگریز اپنے عہدِ اقتدار میں ظالم اور بدتر بھیڑیا تھا، وُہ اپنی حکومت میں رُعب اور دبدبہ جتاتا تھا، مگر اب حالات بدل چکے ہیں۔ اب پولیس کے نظریے میں تبدیلی کی فوری ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی عوام کو بھی اپنا نظریہ بدلنا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کو پولیس والوں کے سامنے سے گزرتے ہُوئے وُہی ڈر اور جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیئے جو نوکر شاہی زمانے میں کیا کرتے تھے۔ بلکہ اب جب بھی ہم انہیں اپنا فرض سرانجام دیتے ہُوئے دیکھیں تو ہمارے دل میں ان کے لیئے احترام کا جذبہ موجزن ہونا چاہیئے۔ شعر

ضعیف اگر نظر پڑے رسُول کا جمال بن

قوی اگر ہو سامنے تو قہرِ ذوالجلال بن

خُدا کے آگے سر جھکا کہ سرکشوں کا سر جھُکے

قضا ستمگروں کی ہو ستم زدوں کی ڈھال بن

(قطع کلامیاں) لیکن یہ تبدیلی کب آئے گی جب ہمارے پولیس والے اسلامی تربیت حاصل کریں۔ حضورِ والا! میں کسی اور چیز پیش کرنا چاہتا ہوں۔ خصُوصاً یہ کہ اس دَور میں جب کہ مُسلمان حکومت قائم ہو چکی ہے، وُہی لوگ جو انگریز کے زمانے میں با اقتدار تھے، اب آپ کے زمانے میں بھی موجُود ہیں۔ اُنھوں نے بدعنوانیاں کی ہیں، یہ ایک کھلی ہُوئی حقیقت ہے۔ لہٰذا میری گزارش ہے کہ اُنہوں نے جو جو بدعنوانیاں کی ہیں اُن کے لیئے انہیں قرار واقعی سزا دینی قومی جانی ضروری ہیں۔ حضورِ والا!

یہاں تک کہ کئی قتل ایسے ہوئے کہ ان کی تحقیقات نہیں کی جا سکی مظلوموں کے دلوں سے آہیں نکلتی تھیں۔ اُن مسلمانوں کی آہوں کا خیال رکھیے۔ جن کے ماں باپ یا بچے اور بیویاں ماری گئیں۔ مگر قاتل کو قرارِ واقعی سزائیں دینا تو ایک طرف، مقدمات کی تحقیقات نہیں کی جا سکی۔ وُہ وقت ہمیں یاد ہیں جب یونینسٹ ایم۔ ایل۔ اے کو خوش کرنے کے لئے کسی عزت دار کی پگڑی اُچھالی جاتی تھی۔ میں آپ کو ایک اپنا واقعہ سُناتا ہوں الیکشن سے پہلے کی بات ہے۔ میں اپنے چچا زاد بھائی اور پھوپھی زاد دو بھائیوں کے ساتھ زمین کے سلسلہ میں بطورِ ثالث حاضر ہوا۔ تھانیدار بے رُخی سے پیش آیا۔ میں اپنے دونوں بھائیوں کے ساتھ موجود تھا۔ میرے بار بار درخواست کرنے پر بھی کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ چونکہ یونینسٹ ایم۔ ایل۔ اے مجھ سے خطرہ محسوس کرتا تھا۔ اس لئے تھانیدار نے مجھے یہ کہا کہ دو ایک روز کے بعد آؤں۔ میں نے قبول نہ کیا۔ تھانیدار نے کہا کہ اگر آپ نہیں مانتے تو آپ کو بھی ان کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔ چنانچہ میں نے بات نہ مانی اور اپنی بات پر قائم رہا۔ آخر تھانیدار نے دھمکی دی کہ میں آپ دونوں بھائیوں کو سزا دوں گا۔ معاملہ نے نازک صورت اختیار کر لی۔ اور مجھے ۱۵۱ اور ۷۔ ایس گرفتار کیا گیا۔ لیکن عدالت میں جب کیس پیش ہوا تو یہ ثابت ہو گیا کہ تھانیدار نے زیادتی کی ہے۔ میں بطور ثالث کے بلایا گیا تھا۔ (قہقہہ) ہنسیے نہیں آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا۔

میرے خلاف جو بیان دیا گیا۔ وُہ افسران کے ایما سے دیا گیا۔ غرضیکہ ایسے واقعات ہزاروں آپ کو ملیں گے جہاں لوگ سچائی کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال کر ان فرعون مزاج افسروں سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں اور بصد مشکل اپنی جان بچاتے ہیں۔ ہاں تو جناب والا تین دن کے بعد ڈپٹی کمشنر سید زمان خان کے سامنے رُوداد پیش کی جاتی ہے۔

اس ڈپٹی کمشنر کے سامنے جو ستمبر میں وہاں تھا، واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

مگر محض اس لیئے کہ جو باتیں میں کر رہا تھا قطع نظر اس کے کہ وُہ مبنی بر صداقت تھیں۔ اُن کے قریب اس لیئے در خورِ اعتنا نہ تھیں کہ مجھے ڈپٹی کمشنر کی چاپلوسی اور خوشامد کی عادت نہ تھی۔ لہٰذا میرا سب کچھ کہا سُنا بیکار جاتا ہے۔ اور مجھ سے یہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ بیانات سے تمہاری برأت ثابت نہیں ہوتی اس لیئے تمہیں جیل میں کیوں نہ بھیج دیا جائے۔ میں نے ڈپٹی کمشنر سے کہا تم اور کر بھی کیا سکتے ہو۔ پہلے اپنے وزیرِ اعظم کو بھی جیل میں بھیج دو جس سے صوبہ بھر کے مسلمان ناراض پھرتے ہیں۔ جب ڈپٹی کمشنر نے اصل واقعات سُنے اور معاملہ کی اصلیت اُسے معلوم ہوئی تو فوراً ۲۰ منٹ کے بعد کہنے لگا۔ تم جیل میں نہیں جاؤ گے، واپس آجاؤ۔ میں نے کہا اب میں جیل ضرور جاؤں گا۔ بالآخر ملٹری کے افسران نے میرے پاس آکر کہا۔ تمہاری وجہ سے مسلمان اس ڈی سی کی ایذا رسانیوں سے محفوظ ہیں۔ آپ اب اس کے دُوسرے حکم کے بعد جیل جانے پر اصرار نہ کریں۔ چنانچہ ہم نے مان لیا۔ اور ڈی سی کے جذباتی ہونے سے بار بار عزّت اور بے عزّتی ہوتی رہی۔ اُس کی منشا یہی تھی کہ ضلع میں فساد ہو مسلمانوں کو بھڑکایا گیا کہ کسی طرح فساد ہو۔ مگر آپ کو یاد ہوگا جب آپ کے علاقوں میں فسادات کی آگ بھڑکی ہوئی تھی میانوالی میں کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ جیسا کہ میں نے بیان کی ہے محض یہی تھی کہ ہم لوگ ضلع کے افسران کی کوئی چال کارگر ثابت نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایسے واقعات ان افسروں کے ہاتھوں صرف ایک ہی ضلع میں نہیں ہوئے بلکہ ایسے واقعات کئی ضلعوں میں ہوئے ہوں گے۔ ہم نے ان دُشمنوں کی چالوں کا مقابلہ کیا اور ناکام کر دیا۔ مجھے یہ بیان کر کے صرف واہ واہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے سوچا تھا کہ وقت آنے پر ہم ان واقعات کو وزیرِ اعظم کے سامنے رکھیں گے۔ مگر کیا کریں ابھی تک حکومت میں تمام تر ناپاک عناصر موجود ہیں۔ بلکہ کرسٹان ابھی تک موجود ہیں۔ جن کے منحوس اثرات ابھی تک تصاویر کی صُورت میں اس ایوان کی دیواروں پر بھی موجود ہیں۔

اِس لیے ضرورت کسی ایسے انقلاب کی تھی کہ یہ منحوس اثرات پاکیزگی سے دُھل جاتے۔ ہم نے آپ کے نظام قائم کرنے پر اعتماد کیا۔ مگر آپ نے جو نظام قائم کیا ہے۔ اس میں افسروں نے اپنے آدمیوں کو فائدہ پہنچایا ہے اور مسلم لیگ کے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ نتائج آپ کے سامنے ہیں۔ اگر آپ نے کسی صحت مند نظام کے مطابق عمل کیا ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ بد دیانتیوں کی کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے۔ یہ درست ہے کہ کئی مسلم لیگ کے افسران اور کارکنوں کو معطل کیا گیا۔ مگر ہماری یہ استدعا ہے کہ ایسے لوگوں کو عبرتناک سزائیں ملتیں۔ اس روز کسی سرکاری اور غیر سرکاری ارکان کو کمیٹی میں شامل کرنے کی ترمیم جو پیش کی گئی تھی۔ اس کا منشا بھی یہی تھا کہ دونوں قسم کے لوگوں کو فوراً واقعی سزائیں دی جائیں۔ اگر گرنے سے بچنا ہے اور اپنی قوم کو سرخرو کرنا ہے تو اسلام کے اصول موجود ہیں اُن پر عمل کرنا از بس ضروری ہے۔ اگر آپ لفظ آزادی کے معنی اور مفہوم سے آگاہ نہیں ہیں اور اُسے سمجھنے سے قاصر ہیں تو الفاظ پر نہ جائیں۔ کوئی عمل کر کے دکھائیں خداوند تعالیٰ نے آپ کو دینِ فطرت دیا ہے۔ جس کے طفیل ہم اس پر عمل کرنے کے بعد فضلِ ربی کے ساتھ اپنی قوم کو اس طرح اُٹھائیں گے کہ پاکستان جنت نشان کا حسن دوبالا ہو جائے گا اور وہ دن دُور نہیں جب اس دینِ فطرت کی بدولت مسلمان قوم اپنے آزاد ملک میں فارغ البالی زندگی بسر کرے گی۔

مسلم شخصی قانون

تقریر، مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۴۸ء

(اسمبلی کی سرکاری رپورٹ، جلد اوّل ۔ جزء ۱۵)

"جناب والا - اِس وقت جو بِل ہمارے زیرِ غور ہیں - مَیں نے اسے امعانِ نظر سے پڑھا ہے - آج مَیں اِس سلسلے میں اپنے خیالات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہُوں اِس بِل کا نام مسلم شخصی قانُون (MUSLIM PERSONAL LAW) شریعت کے نقطۂ نگاہ سے قطعاً قابلِ قبول نہیں - یہ نام اور اس قسم کے غیر اسلامی تصوّرات ہماری وزارت کے صاحبانِ اقتدار کو فرنگی سے ورثہ میں ملے ہیں ہمیں ایسی چیزیں جو درحقیقت غیرِ اسلامی ہوں - ہرگز قبول نہیں کرنی چاہئیں - بالخصوص اب جب کہ ہماری قومی حکومت قائم ہو چکی ہے ہمیں ایسی چیزیں بالکل ختم کر دینی چاہئیں - اگر فی الواقع ہم چاہتے ہیں کہ ہماری حکومت اِسلامی اصول و روایات کے مطابق نافذ ہو تو اس کے لئے لازمی ہے کہ اپنے حلقۂ اختیار و اقتدار میں ہم اِسلامی قانون اور مُصطلحات کو رواج دیں - کہا جاتا ہے کہ وراثت اور اراضیات کے بارے میں تعزیراتِ ہند اور ضابطہ دیوانی میں بھی ذکر ہے - اِس لئے حکومت مجبور تھی کہ وُہی مُصطلحات اور وُہی رسُوم اپنے بِل میں استعمال کرتی - مَیں آپ کی خدمت میں عرض کرُوں گا کہ اِن مُصطلحات کو ہٹا دیجئے -

مَیں اپنے وکیل بھائی سے عرض کرنا چاہتا ہُوں کہ مَیں تعزیراتِ ہند (INDIAN PENAL CODE) کا الگ ذکر نہیں کر رہا - مَیں نے یہ کہا ہے کہ اس کے ساتھ ضابطہ دیوانی کا بھی ذکر موجُود ہے - اور حکومت کا یہ عذر نہایت نامعقول ہے اگر یہی روش رکھنی ہے تو آپ انگریزوں کی کتاب قانون کو صحیفہ یزدانی سمجھ کر اپنے دینی قانون کو محض بطور تکملہ کے پیش کریں گے - جو قانونِ اِسلام کی توہین کے

مترادف ہے۔ (قطع کلامیاں)

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ غیر اسلامی تصوّر رفع کرنے کے لیئے آپ کو لازم ہے کہ جملہ کا فرانہ اصطلاحات اور قوانین ختم کر دیں۔ اور جب ہم کوئی بل لائیں۔ کوئی تجویز یا ترمیم پیش کریں۔ تو اس کے لیئے ایک نکتہ ہر وقت ہمارے سامنے ہونا چاہیئے۔ اور وہ یہ کہ ہم کوئی ایسی اصطلاح استعمال نہ کریں جو اسلام کی رُو سے جائز نہ ہو۔ مثلاً اگر میرے دوست اس وقت چاہتے ہیں کہ اس بل کو پیش کر کے ایک ایکٹ کی شکل دیں تو انہیں چاہیئے۔ یہ ایکٹ بناتے وقت شرعِ اسلامی کا ایک ضابطہ بنائیں اور اس کی تمام جزئیات تک میں کہیں بھی اسلامی نظریئے کو ہرگز نظر انداز نہ کریں۔ بلکہ اسلامی قانون کے کلّی نفاذ کے لیئے ہر ممکن کوشش کریں۔ کوئی قانون پاس کرتے وقت اسے قانونِ شریعت کی دفعات کی روشنی میں پرکھنے کے بعد نافذ کرنا آپ کا مذہبی فرض ہے۔ اور یوں بھی قانون کی جامعیّت اور اکملیت کے لیئے یہ امر نہایت ہی اہم اور ضروری ہے۔ ہماری حکومت ابھی حال ہی میں معرضِ وجود میں آئی ہے اس لیئے اس کی تعمیر ابتدا ہی سے اسلامی روایات و اساسات کے مطابق ہونی چاہیئے۔ تاکہ وہ آئندہ صحیح معنوں میں کامیاب اسلامی حکومت ثابت ہو سکے۔ ابتدائی مراحل کا ہمیں خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر ابتدا اچھی ہو گی۔ تو درمیانی مراحل بھی بڑی خوش اسلوبی سے طے ہو جائیں گے۔ اور اگر خشتِ اوّل ہی ناقص اور غلط بنیادوں پر ہو گی۔ تو عمارت کبھی صحیح نقشہ کے مطابق تیار نہیں ہو سکتی۔

؎ خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

اس لیئے جو اینٹ آج ابتدا میں رکھی گئی ہے۔ اس میں کسی قسم کا نقص نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اسلامی قوانین کی رُو سے جو مسالہ بھی تیار کیا جاتے

اس میں کسی قسم کی خامی اور کجی نہیں ہونی چاہیئے ہمیں اسلامی رنگ کو صحیح معنوں میں پیش کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس رنگ کے بغیر کوئی دوسرا رنگ ہم اختیار نہیں کر سکتے۔ اگر کریں تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اندریں حالات میرا اسلامی اصول قیادیات پر اصرار بلی احساسات کی ہمواری کے لیئے ہے۔

اس کے بعد ایک چیز جس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ غیر اسلامی تصورات کی وجہ سے مسلمانوں نے زندگی کے مسائل سوچنے میں تجرباتی انداز نگاہ سامنے رکھا ہوا ہے۔ حالانکہ ہم جزئیات پر غور و خوض اس لیئے کرتے ہیں تاکہ کُل میں کہیں خلل، انتشار یا دراڑ پیدا نہ ہو۔ ہمارا طریق فکر ANALYTICAL کے ساتھ ساتھ SYNTHITICAL یعنی تجمیاتی بھی ہے۔ افسوس افرنگ کی تقلید میں مسلمانوں نے زندگی کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے اور اسے ٹکڑوں میں دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ افسوس آج مسلمان نہیں سمجھتا کہ زندگی خود ایک وحدت ہے۔ اور خدا کی توحید کا قائل مسلمان ایسا نظام اور ضابطہ ہرگز قبول نہیں کر سکتا جس میں زندگی کے مسائل کی انفرادی قیمت تو ہو اجتماعی اقدار کوئی نہ ہوں۔ اقتصادیات، سیاسیات، معاشرت، تمدن ثقافت ان سب کو ہم اسلامی جسم حیات کے مختلف عناصر سمجھتے ہیں۔ جو جسم کے لیئے بمنزلہ دل، دماغ، جگر اور معدہ کے ہیں۔ جن کی حیثیت محض ایک اجتماعی نظام جسم کے ساتھ وابستہ ہونے سے ہے۔ وگرنہ دل، دماغ، جگر اور معدہ اس نظام سے الگ کر دیئے جائیں تو سوائے مضغہ گوشت کے ان کی کوئی حقیقت نہیں یہی حکم سیاسیات، معاشیات وغیرہ پر ہے۔ اسلام دُنیا کا بہترین مذہب ہے اور قرآن کریم مسلمانوں کے لیئے بہترین لائحہ عمل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمانوں نے آج اس لائحہ عمل کو چھوڑ دیا۔ اس کی رُوح اور اصل کو نظر انداز کر دیا ہے تو یہ ان کی اپنی بدقسمتی ہے۔ میں آپ کو انتباہ کرتا ہوں کہ یہ فرنگی کا چلایا ہوا نظام آپ کے لیئے

زہرِ ہلاہل ثابت ہوگا۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس وقت آپ کے سامنے جو وراثت کے متعلق بل پیش ہو رہا ہے۔ یہ اُس وقت تک مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب تک اسے دُوسرے احکامِ الٰہی کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے اور ایک مربُوط ضابطہ نہ بنایا جائے عورت کو جائداد کا حصّہ دینے کے لئے اگر اسلامی تہذیب و تمدّن اور دیگر قرآنی تصوّراتِ زندگی پیشِ نظر نہ ہوں اور موجُودہ رواج کو کلیتہً نظر انداز نہ کیا جائے۔ تو یہ وراثت بل آپ کی سوشل زندگی میں ایک عدم توازن اور انتشار رُونما کر دے گا۔ آپ کا فرانہ باقیات الخبیثات سے کیوں چمٹے ہُوئے ہیں۔ الحمد للّٰہ فرنگی اب جا چکا ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد اب اس کے رائج کردہ نظام کو بھی خیرباد کہہ دینا چاہیئے۔

انگریزی قانون کی وجہ سے ورثہ کے متعلق بہت سی پیچیدگیاں اور اُلجھنیں پیدا ہوگئی تھیں۔ اور شریعت اور رواج دو قانونی اِصطلاحات ایک دُوسرے کے مقابلہ میں ہمسر ہو کر ایک مسلمان کے دین و ایمان کو اِمتحان گاہ میں ڈال دیتی تھیں۔ یہ اِختیاری صریح کفر تھا۔ شریعت کے مقابلہ میں رواج کا تصوّر ہی جہالت و طغیان ہے۔ جو اِسلام کی رُو سے بالکل بغاوت ہے۔ اس کے مطابق اولادِ اکبر کو تو حصّہ مِل جاتا تھا۔ مگر عورتیں اور لڑکیاں وراثت کے حقوق سے بالکل محروم کر دی جاتی تھیں۔ اِس قانون کے بعد اب اگر آپ اس بل کو عین اِسلامی قانون کی روشنی میں مرتب کر دیں۔ اور اسے ایک مکمل اور جامع شکل میں رائج کر دیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس حکومت کو چلانے کے اہل ہیں۔ اور اِسلامیانِ پنجاب کے ترجمان کی ترجمانی میں نہایت کامیاب ثابت ہوں گے۔ فی الحال چُونکہ وراثت کا مسئلہ زیرِ غور ہے اس لئے میری گذارش ہے کہ اس کی بنیاد اِسلامی اصولوں پر رکھنا نہایت لازمی اور ضروری ہے۔ کیونکہ اسے بھی آج خالص قرآنی اساس پر طے نہیں کرتے تو کہنا پڑے گا کہ ؎

عجب آں نیست اعجاز مسیحا داری ۔۔۔ عجب اینست کہ بیمار تو بیمار تر است

علاوہ ازیں اَور بھی کئی ایسی چیزیں ہیں جو انگریزی تمدّن واخلاق کی پیداوار ہیں۔ اَور جو اَب ہماری حکومت کے لِئے بدنامی کا باعث ہیں۔ ان سے نجات حاصل کرنے کے لِئے حکومت کو کوئی فوری اقدام کرنا چاہیئے۔ حیرت ہے حکومت یہ تو کہتی ہے کہ "اسلامی شریعت" رائج کی جائے گی۔ اِسلامی روایات کا دَور دَورہ ہوگا پاکستان صحیح معنوں میں دارالاسلام بن کر رہے گا۔ لیکن وُہ مُہلک اَور غلیظ چیزیں جو فرنگی نے ہمارے ہاں رائج کر رکھی تھیں اَور ابھی تک جاری ہیں۔ کیا حکومت کا یہ فرضِ اوّلین نہیں کہ قانونِ محمّدی کے پیشِ نظر زناکاری اَور شراب کو حرام قرار دے اَور اِن خواہش کے اِنسداد کے لِئے فی الفور شرعی تعزیرات جاری کر دے کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ حکومت کی اِجازت سے اب بھی بے حیائی کے اڈّے موجود ہیں شراب خانے جاری ہیں۔ حکومت کی اِجازت سے جوا کھیلا جاتا ہے۔ اَور دیگر منشّیات بیچی جاتی ہیں۔ اَور باوجود ان منکرات اَور نجاستوں کے یہ مُلک اسلامی تہذیب تمدّن اَور علومِ اخلاق کی بُرہانِ قاطع پر ہندوستان سے الگ کیا گیا ہے یہ خود فریبی نہیں تو اَور کیا ہے۔ آپ ایک طرف شرعِ محمدی کا نام لیتے ہیں۔ اَور دُوسری طرف اُن خبیث چیزوں کو جاری رکھنے کے متمنّی نظر آتے ہیں جو صریحاً احکامِ خداوندی کے خلاف ہیں۔ اِن کو دیکھ کر میرا خون کھول اُٹھتا ہے۔ پہلے تو یہ کہا جاتا تھا کہ غیر مسلموں کے لِئے شراب کی ضرورت ہے۔ مگر میں تو موجُودہ صُورتِ حالات دیکھ کر حیران ہُوں کہ اَب ایسی چیزوں کو جاری رکھنے کی کونسی اشد ضرُورت باقی رہ گئی ہے۔ اَور پھر مسلمان شراب خانوں کے ٹھیکیدار بن رہے ہیں۔ اَور اِس وقت مسلمان شراب بیچ رہے ہیں۔ مجھے اِطلاع ملی ہے کہ مُریدکے میں سکھوں اَور ہندوؤں کے زمانے میں بھی شراب خانے نہ تھے لیکن اب موجُود ہیں۔ اَور وہاں شراب بیچنے والے آج مسلمان ہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ کئی دیگر مقامات پر آج بہت سے نئے شراب خانے

کھُل گئے ہیں۔ اِس لیئے مَیں محسُوس کرتا ہُوں کہ جب تک آپ قوانینِ فوجداری کے اندر تبدیلیاں اَور انقلابات پیدا نہ کریں گے اِس مسودۂ قانون کے نفاذ کی ہرگز ہرگز مؤثر صُورت نہیں ہو سکے گی۔ اِسلامی قانون مکمل ہے۔ اس ضابطہ میں کسی قِسم کی ترمیم تنسیخ اَور تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ اِس مسودۂ قانون کی یہ خرابی نہیں ہے کہ وُہ بہت سی بُرائیوں اَور بدعتوں کو دُور نہیں کرتا۔ بلکہ خرابی یہ ہے کہ جس قدر قسط قانونِ شریعت کی ہم تک پہنچائی جارہی ہے۔ اَور اب یہ نافذ العمل ہو گی۔ اس میں نو کئی نقائص ہیں۔ مثلاً ایکٹ اِنتقال اراضی۔ اِس ایکٹ کے اثر مسائل ماسبق پر نہ ہو گا۔ اَور نہ ہی قاضی عدالت قائم کی جائے گی۔ آپ اِن نقائص کو رفع کرنے کے بعد یہ بل پاس کیجیے۔ اِسلام کا دعویٰ ہے اَور بجا دعویٰ ہے کہ یہ ضروریاتِ زمانہ کو پُورا کرنے کے لیئے اَور زمانہ کے نئے پیدا شدہ تقاضاؤں کا حل پیش کرنے کے لیئے کبھی بھی ساکت نہیں رہا۔

Islam never stood in the way of necessary changes to meet the changed conditions.

اِسلام ہر حالت میں اَور ہر زمانے میں انقلابات کا مقابلہ کرتا رہا ہے اور ابدالآباد تک کرتا رہے گا۔ قرآن قیامت تک کے لیئے قانونِ ہدایت ہے۔ کئی اِنقلابات آجائیں۔ عناصر میں زوال آجائے۔ قرآن کے ازلی ابدی اَور سرمدی قانون اپنی جگہ پر مکمل اَور کامل موجود ہیں۔ اَور ہر دَور کے لیئے اپنے ہدایت کا سامان رکھتا ہے یہی فرمایا حضرت علّامہ اقبالؔ نے ؎

صد جہاں باقیست در قرآں ہنوز
اندر آیاتش یکے خود را بسوز

اگر ہمارے اندرُونی تغیرات اِس درجہ شدید صُورت اِختیار کر چکے ہیں کہ

اِسلامی تصوّرات کے مقابلہ میں ہم نے نئے نظریات کو سینے سے لگا لیا ہے۔ تو یہ اپنے مذہب سے غدّاری کے مترادف ہے۔ نئے تصوّرات سے ہماری آنکھیں خیرہ نہ ہونی چاہئیں۔ بلکہ ہماری آنکھوں کا نُور اُس خاک سے پیدا ہونا چاہیئے جہاں سے بانیٔ اِسلام نے ایک صحت مند اور پاکیزہ نظامِ حکومت کو جنم دیا تھا ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ

سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اِس لئے مَیں یہ پُوچھنا چاہتا ہُوں کہ اگر آپ کے سامنے ایک زیادہ صحت مند اور مکمّل نظام موجود ہے۔ تو پھر ایک بودے اور غیر شرعی نظام پر مُصر ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آنی چاہیئے۔ اور اِس حقیقتِ ثابتہ کے باوجُود ہمارے ارکانِ حکومت افرنگ زدہ ہیں اور جدید تصوراتِ مغرب میں اسیر ہیں۔ تو مَیں یہی کہہ سکتا ہُوں کہ سوائے اس کے کہ ہمارا مرض مزمن اور ہماری ذہنیتیں غلامانہ ہو چکی ہیں اور کوئی فساد نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ بلکہ میری رُوح اس عمل کے خلاف بغاوت کرتی ہے جب مَیں دیکھتا ہُوں کہ ہر کہ و مہ قلب بالقرآن کر رہا ہے۔ آیاتِ قرآنی کے مطالب و معانی کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال رہا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جب تک علمِ دین میں کوئی سند نہ ہوتی، کوئی دینی بصیرت نہ ہوتی کوئی شخص لب کشائی کی جراٴت نہ کرتا۔ مگر یہاں تو باوا آدم ہی نرالا ہے ؎

تنگ بر ما رہگذارِ دیں شدہ است

ہر لئیمے رازدارِ دیں شدہ است

آپ پردے کے متعلق تاویلیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اِسلامی پردے میں لازم نہیں کہ چہرہ کو چھپایا جائے۔ مَیں پُوچھتا ہُوں آپ فقیہ کب سے بن گئے اپنے بھائیوں کے ہاتھوں دینی مسائل کا تمسخر اور تلعب ہوتے ہوئے دیکھ کر افسوس ہی

ہوتا ہے اور جی جلتا ہے۔ مگر یہ مجھ سے بعید ہے کہ میں اُس شخص کو جو قانون انگریزی
تو جانتا ہو مگر شریعت کے آئین سے نا آشنا ہے۔ اور مسائل شرعیہ میں ٹانگ اڑائے
تو میں اس کے دلائل کو کیوں درخورِ اعتنا سمجھوں۔ چنانچہ میں نے منتخب کمیٹی میں
بھی اس چیز کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ دیکھئے ایک وکیل کے لیے تو ایل۔ ایل۔ بی پاس
کرنا نہایت ضروری ہے۔ جب تک وُہ ایل۔ ایل۔ بی پاس نہ کرلے وُہ وکالت
نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی عدالت کے سامنے کسی کی وکالت کرسکتا ہے۔ مگر جو لوگ
اِسلامی نظام اور آئینِ شریعت سے بے بہرہ اور نا آشنا ہیں اُنہیں فیصلہ کرنے کا
مجاز بنا دینا صریحاً ناواجب اور غیر عادلانہ اقدام ہے۔ اور پھر اُن کو اِس امر کی
اِجازت دے دینا کہ مسائلِ شرعی میں اپنی رائے سے فیصلے کریں اور اپنی مرضی پر
فتوے دیں تو دین سے مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر آپ کوئی بل لاتے ہیں۔ تو
خُدارا یہ تو پہلے دیکھ لیں کہ کیا اس کی سپرٹ تو اِسلامی ہے۔ میں جذبات کی زد میں
بہنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن یہ عرض کیے بغیر بھی چارہ نہیں کہ اِسلام صرف ایک مذہب
ہی نہیں۔ بلکہ اس میں ایک مذہبی پولیٹیکل سسٹم ہے وُہ ایک —— SET OF
PRINCIPLES ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے کہا ہے۔ (آیت) هُوَ الَّذِیْٓ
اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی
بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ (سُورہ الفتح، رکوع ۱) وُہ ذات ہے کہ جس نے اپنا رسُول
کامل ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ دُنیا کے دُوسرے تمام ادیان اور نظام ہائے
زندگی پر غالب آجائے۔ اور اس صداقت اور حقانیت پر اللہ کی شہادت بس
ہے۔ (الفتح، رکوع ۱)

اگر ہم دینِ اِسلام کے اصُولوں اور آئینِ شریعت کی پیروی کرتے تو انگریز
کے لائے ہُوئے مضر اثرات نظام میں خلل نہ ڈال سکتے اور نہ آئینِ شریعت سے

ہمارے اینگلو محمڈن پندار کو گوارا نہ پہنچتی۔ اور نہ ہی آئین شریعت کو پورے طور پر اختیار کر لینے سے ہمیں شکست محسوس ہونے لگتی۔ آج تقاضا اِس بات کا تھا کہ شراب بیچنے والوں کو دُرّے لگیں۔ قحبہ خانوں کو ملیا میٹ کر دیا جائے۔ اور غیر شرعی کام کرنے والوں کو سزائیں دی جائیں۔ مگر کیا کیا جائے۔ اِس مسودہ قانون کو کلّی طور پر شرعی رنگ دینے سے موجودہ نظامِ حکومت کی کلائی میں خم آتا تھا وُہ ہماری تجویزوں کو کیوں تسلیم کرتی۔ قرآن وسُنّت کے اندر مکمل قانون موجود ہے۔ یہ قانون کیوں معطّل ہو گیا تھا۔ اِس لیئے کہ قرآن کے ہاتھ سے تلوار چھین لی گئی تھی۔ قرآن اور تلوار ایک دُوسرے سے جُدا نہ تھے اور نہ ہیں ؎

اِیں دو قوّت حافظِ یک دیگر اند

کائناتِ زندگی را محور اند

اب بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو تلوار یعنی قوت و جبروت مِل چکی ہے۔ اِس قوّت کو قرآنی احکام کے نفاذ کے لِیئے استعمال کیجیئے۔ ہم آپ سے نیا آئین اور نیا قانون نہیں مانگتے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ قرآن کے ہاتھ میں تلوار دے دیں تاکہ یہ اپنے راستے سے خس و خاشاک کو دُور کرے اور کائنات کو نیکی کا پابند بنائے۔ اگر اثر بڑھانا ہے آپ نے اِس قانون کا اور نافذ کرنا ہے اس کو آپ نے تو ناعاقبت اندیشانہ رویّہ سے احتراز کرتے ہوئے لازم یہ تھا کہ اس کے سقم اور خامیوں کا ازالہ کر لیا ہوتا۔ کیونکہ اِس کو پیش کر دینا اس حالت میں جب کہ اس میں بنیادی خامیاں موجود ہیں ہرگز قابلِ قبول نہ تھا۔ آج بھی جب کہ اس ایوان میں نئی منتخب کمیٹی سے منظور ہو کر یہ بِل آیا ہے تو اِس میں وُہ چیزیں شامل ہیں جو نہیں ہونی چاہیئیں تھیں۔ یہ محض اِس وجہ سے ہے کہ فیصلہ صادر کرنے والی عدالتیں آئینِ شریعت سے بے بہرہ ہیں۔ آپ قانونِ وراثت کے نفاذ سے قبل عدالتوں کو مسلمان بنائیے

مسلمان قاضی اور مسلمان مفتی مقرر کیجیے۔ ورنہ اس اسلامی قانون وراثت کے راستے میں بہت سی مصیبتیں پیدا ہو جانے کا احتمال ہے۔ خلع کا مسئلہ لیجیے۔ اب بھی خلع کے متعلق مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ یہ ان ججوں کے سامنے پیش ہوتا ہے جو اسلامی فقہ کے تصورات کو قطعاً نہیں جانتے۔ اور پھر جو احکام شریعت سے ناآشنا ہیں۔ اور اُن کو قطعاً علم نہیں کہ طلاق کس موقع پر وارد ہوتی ہے وُہ کیسے صحیح فیصلے کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اِس بارے میں مَیں نے اپنے اختلافی نوٹ میں ایک تجویز پیش کی تھی کہ JUDGES AND MUFTIS وُہ مقرر کیے جائیں۔ جو آئینِ شریعت اور آئینِ قرآن کو جاننے والے ہوں۔ جب تک وُہ آئینِ دین نہ جانیں گے وُہ فیصلہ کیا صادر کر سکیں گے۔ موجودہ عدالتوں کو یہ کہنا کہ وُہ شرعی مسائل پر فیصلہ صادر کریں۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ انگلستان میں تبت کے ججوں کو لے جا کر یہ کہا جائے کہ تم انگریزی قانون کے مطابق فیصلے لکھو۔ اور طرفہ یہ ہے کہ وُہ انگریزی نہ جانتے ہوں۔ اِس لیے چاہیئے یہ تھا کہ زیرِ غور مسودہ قانون میں یہ لازمی قرار دیا کہ مسئلہ وراثت کے متعلق صرف وہ جج فیصلے کر سکیں جو اسلامی قانون کو جانتے ہوں۔

سنہ ۱۸۶۱ء میں جب (QAZI COURTS) قاضی عدالتوں کو انگریزی راج نے ختم کیا تھا تو تمام قاضی اور مفتی نانِ شبینہ کو محتاج ہو گئے تھے آج اگر آپ قاضی عدالتیں قائم کرتے ہیں جو ان شرعی مسائل کے متعلق فیصلہ دیا کریں تو انگریزی عدالتوں سے کہا جا سکتا ہے کہ اب آپ جایئے ہوا کھایئے۔ جس طرح اپنا دستور انگریز نے یہاں رائج کرتے وقت ہندوستان کے نظامِ حکومت کو اپنی تہذیب و تمدن اور عدالت و سیاست کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ اور مسلمانوں سے انتقام لیتے ہوئے ان کی قاضی عدالتیں ختم کر دی تھیں۔ آج وقت آیا ہے کہ آپ بھی اُسی طرح اپنے دستورِ نو کی بنیاد رکھتے ہوئے نظامِ قضاء و افتاء کو دوبارہ قائم کریں

اور ان کی دشمن اسلام حرکات کا انتقام لیں۔ اور جس طرح ۱۸۶۱ء میں فرنگی بھیڑیوں نے ہماری شریعت کے نظام کو ختم کر کے ہمارے خلاف ایک ذلیل منتقمانہ کارروائی کی تھی۔ آج ہم فرنگی کی عدالتیں ختم کر کے ان سے فرنگیت مآب ججوں کو بیک بینی و دوگوش عدالتوں سے ہٹا دیں

جناب والا! میں موجودہ ججوں کو فرنگ زدہ کہہ رہا تھا۔ جو کہ ایک حقیقت کا اظہار ہے۔ اور بلاشبہ ایک تلخ بات ہے۔ حق ہمیشہ تلخ ہوتا ہے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر آپ وراثت شرعی کے متعلق فیصلہ صادر کرنے کے لیے وہ JUDGES مقرر کرتے ہیں جو اسلامی شریعت سے واقف نہیں تو اس سے مسودہ قانون کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ بلکہ اس کے بجائے لازم یہ ہے کہ آپ ان ججوں کو مقرر کریں جو اسلامی معاشرت اور اصول وراثت کو بدرجہ اتم جانتے ہوں۔ جو تمام جزئیات کا قطعی علم رکھتے ہوں۔ جو طلاق کے متعلق جانتے ہوں کہ وہ کب وارد ہوتی ہے۔ اور اس کی IMPLICATIONS یعنی منضمنات کیا ہیں۔ پھر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہماری قاضی اور مفتی عدالتوں کو جس طرح انگریز کے قانون نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔ اسی طرح آج ہمارا قانون بھی اگر وہ واقعی شریعت قانون ہے تو موجودہ انگریزی علاقوں کے ججوں کو مجبور کر دے کہ وہ اپنی گدیاں خالی کر دیں تاکہ اس پر پھر نظام قضا و افتاء کے ماتحت ہماری قاضی عدالتیں قائم ہو سکیں۔ یا موجودہ وکلاء اور جج صاحبان مجبوراً اسلامی قانون عدالت و قضا و افتاء کو سمجھ کر ہماری عدالتوں میں کام کریں۔ پھر میری گذارش یہ تھی کہ اگر آپ نے اس مسودہ قانون کو ابھی پاس کرنا ہے تو ادھورے طریقے سے نہ کیجئے پورے غور و خوض اور حزم و احتیاط کے ساتھ پہلے اس کے لئے زمین تیار کر لیں کل کو اگر آپ کے قانون اور ضابطے شریعت اسلامی سے متصادم ہو جانے پر قوم

کو اُلٹا نقصان ہوا تو پھر آپ کو وُہی راستہ اختیار کرنا پڑے گا جس کے متعلق مَیں بار بار عرض کر رہا ہوں۔ جب تک آپ نے موجودہ ضابطوں کو شریعتِ اسلامی کے رنگ میں مرتّب نہ کیا۔ آئینِ شریعت کے ترجیح نہ کرائیے۔ اس وقت تک یقین رکھیئے۔ آپ کے تمام مقاصد جو اس قانون سے وابستہ ہیں پُورے نہیں ہو سکتے۔ قانون میں اگر ایک شِق پُوری ہوتی ہے اور دُوسری شِق پوری نہیں ہوتی یا ایک شِق کا دُوسری سے متصادم ہو جانے کا احتمال ہو تو یہ قانون کا ہی نہیں بلکہ شریعت کا مُنہ چڑانا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ ایسے قانون سے عوام مستفیض ہو سکیں گے محض ابلہ فریبی ہے۔ مَیں تو اس قانون کے اِس نامکمّل حالت میں ایوان میں پیش کئے جانے کو ناعاقبت اندیشی سے تعبیر کروں گا۔ یہ کہنا تدبّر کی دلیل نہیں کہ عورتیں مظاہرے کرتی پھریں گی۔ اِس لیئے علماء کی رائے سے بعد میں استفادہ کرلیا جائے گا۔ مَیں پُوچھتا ہوں۔ عورت کو کیا ضرورت ہے مظاہروں کی اس کی جگہ تو ستر میں ہے۔

حضورِ والا! جذبات سے جذبات بھڑک جاتے ہیں۔ (قہقہہ) مَیں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں مظاہروں سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ اگر ایسا کوئی نقص رہ گیا تھا تو اُسے دُور کرنے کے لئے وقت لے لینا کوئی قابلِ اعتراض امر نہ تھا۔ مظاہرے کرنے والیوں کو چاہیئے تھا کہ جو چیز اِس مسودۂ قانون میں رہ گئی ہے اُس کو بجائے اس کے کہ ویسے کی ویسے رکھ دی جاتی۔ مکمّل کرنے کی مہلت دے دیتیں۔ مَیں یہ بھی کہہ رہا تھا کہ مسودۂ قانون میں وراثت کے متعلق بھی بعض تفصیلات واضح ہونی چاہیئیں تھیں۔ یہ تفصیلات اور کئی دیگر ضروری مسائل اُس وقت تک اِس بِل میں شامل نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ زیرِ غور مسودۂ قانون کو منظور کرانے میں خاصی مہلت نہیں دی جاتی۔ مَیں یہ عرض کر رہا تھا کہ اِس بِل

کو اس طریقے سے نافذ نہ کریں کہ مسلمانوں کے لیے (IN SOME RESPECT) بعض شئون و حالات میں تو اس کا اطلاق ہو اور بعض میں نہ ہو میں حیران ہوں کہ آپ کو یہ اختیار کب سے مل گیا ہے کہ آپ اپنی مرضی سے احکام الٰہی میں قطع و برید کریں۔ اگر یہ اسلامی شرع کے مطابق وراثت بل ہے۔ تو اس وقت جتنے حصّہ دار محروم ہیں۔ اُن کو فی الفور حصّہ ملنا چاہیئے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس سے زمینداری میں ناقابلِ برداشت انتشار اور خلل رُونما ہو جائے گا۔ اور اگر خلل اور انتشار کا ڈر ہے تو یہ تو بہر حال رُونما ہو جائے گا۔ میں اثرِ علیٰ ماسبق کی بابت صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ موجودہ قابضین اگر آج وارث بنتے تو ان کے ساتھ شرح اسلامی کی رُو سے جو شریک یا حصّہ دار بنتے تھے اُنہیں اس وقت اسی ایکٹ کی رُو سے حصّہ ملنا چاہیئے۔ اور ہر قابض کو کامل اختیار ہو کہ اپنی جائیداد کو اپنی صوابدید کے مطابق فروخت کر سکے اس کے آگے کسی قسم کی روکاوٹ نہ ہو۔ اگر آپ اسے تسلیم نہیں کرتے تو کیا یہ چیز قابلِ برداشت ہے کہ بعض صورتوں میں اسلامی قانون ہو اور بعض میں غیر اسلامی (آیت)

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ .... الخ

ترجمہ: کیا تم بعض احکام پر ایمان لاتے ہو اور دُوسروں کا انکار کرتے ہو۔

بعض میں اس کی شقیں آئینِ شریعت کے تابع ہوں اور بعض میں نہ ہوں العیاذ باللہ۔ آپ کو یہ اختیار اسلام تو نہیں دیتا۔ میرے خیال میں ساری خرابی اس بل کے PREAMBLE میں موجود ہے۔ کیونکہ اس میں اس کفر کا ذکر ہے۔ کہ آپ زندگی کے بعض مسائل میں تو اسلام کو نافذ کرنا چاہتے ہیں اور بعض میں رواج کو۔ یہ پوزیشن نہایت ہی مضحکہ خیز ہے۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ اس چیز کو واضح کرتے کہ آپ کو اس بات کا حقیقی احساس ہے کہ پورے کے پورے اسلامی قوانین نافذ ہونے چاہئیں اور پوری اسلامی شریعت نافذ ہونی چاہیئے۔ لیکن بعض دقتیں ایسی ہیں کہ جن کے پیش نظر

آپ یہ تمام چیز ایک دم نافذ نہیں کر سکتے ۔ بلکہ اسے قسطوں میں کریں گے ۔ اگر آپ نے یوں کہا ہوتا تو اس سے ہماری تسلّی ہو سکتی تھی ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لازم تھا کہ جو قسط لائی جاتی ، جو قسط پیش کی جاتی ، وُہ پاکیزہ ہوتی ، وُہ مکمل ہوتی مگر افسوس تو یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ آپ صحیح طریق پر اور مکمل طور پر یہ امور سر انجام دیتے آپ اسے اُدھورا پیش کر رہے ہیں ۔ یہ شرعی قانون آپ جن لوگوں کے سپرد کر رہے ہیں ۔ کیا وُہ اس پر عمل در آمد کرائیں گے ۔ جو لوگ خود اس قانون سے نابلد ہیں وُہ انہیں کے لیئے نافذ کرا سکیں گے ؟ اُن کی تربیت ، اُن کی تعلیم اور اُن کا ماحول ایسا ہے کہ وُہ یہ کام نہیں کر سکتے ۔ وُہ ایک ہی LAW جانتے ہیں ۔ اور انہوں نے یہی ایک LAW پڑھا ہے ۔ اور وُہ لاء ہے اینگلو محمڈن لاء ۔ وُہ جو کچھ دیکھتے ہیں اسی اینگلو محمڈن لاء کی عینک ہی سے دیکھتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اینگلو محمڈن لاء جاننے والے شرعی قانون نہیں سمجھ سکتے ۔ بس یہی دِقّت اور مُصیبت ہے جو مجھے اس بِل میں نظر آتی ہے ۔ آپ ابتدائے مسودہ میں اس امر کا اقرار کرتے کہ شریعت کے جملہ احکام نافذ کریں گے ۔ اور جب ایک قسط لائیں گے تو دُوسری کی تیاری کے لیئے ایک مجلس العلماء و فقہا برائے تدوین و تشریح احکام مقرر فرما دیتے ۔ اور آج ہی اگر آپ اِس سلسلے میں کوئی اقدام کرتے تو لوگوں کی تسلّی ہو جاتی کہ یقیناً ہمارے سامنے ایسا نصاب اور ایسا نظام آ رہا ہے جس سے شرع محمدی پُورے طور پر نافذ ہو جائے گی ۔ اور اُنہیں اِس بات سے ایک گونہ تسلّی اور اطمینان ہوتا ۔ آپ کے سامنے دُنیا بھر کی مثالیں موجود ہیں کہ مغل اور افغان آئے تو وُہ اپنے JUDGES اور حکام ساتھ لائے ۔ انگریز آئے تو وُہ اپنا قانون ساتھ لے کر آئے ۔ یہ قانون اُنہوں نے یہاں کے رہنے والوں کو پڑھایا اور اپنی مرضی کے مطابق جج بنا لیئے ۔ وُہ آپ کے معلّم تھے اُنہوں نے اپنے قانون اور اپنے اندازِ نگاہ کی تعلیم دی ۔ اور اس اندازِ نگاہ کی بدولت

وہ لوگ جنہیں اس کی تعلیم دی گئی تھی، حرام کو حلال سمجھنے لگے۔ اور حلال کو حرام سمجھنے لگے ہے۔ جو تھا نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

افسوس اس وقت ہم کہنے کو آزاد ہیں لیکن مغرب کا ذہنی استیلاء اس قدر ہے کہ باوجود ظاہری غلبہ حاصل کر لینے کے ہم انہیں کے افسوں میں گرفتار ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اب اس وقت اگرچہ آپ آزاد ہیں لیکن آپ کی ذہنیت وہی غلامانہ ہے۔ اور بجائے اس کے کہ ہدایت و رشد کے لئے کتاب و سنت کی طرف دیکھیں آپ مغربی اقوام کو قبلہ حاجات اور کعبہ مقصود بنائے ہوئے ہیں۔

اگرچہ ہم آزاد ہیں، آپ بھی آزاد ہیں۔ لیکن اب تک ایسی چیزیں موجود ہیں جو ہمیں فرنگی سے ورثہ میں ملی ہیں۔ ہمارا نظام تعلیم، ہمارا نظام فکر، نظام زندگی اور ہمارا تمدن جو کچھ بھی ہے اس کے رگ و پے میں وہ تمام چیزیں سرایت کر چکی ہیں، جو ہمیں فرنگی آقاؤں نے دی تھیں۔ چنانچہ جب عورتوں نے پردہ ترک کرنا شروع کیا تو اس کے جواز میں ہم نے کبھی ترکی کو امام بنالیا۔ کبھی عراق کو امام بنالیا اور کبھی کسی اور ملک کو۔ یہ کسی نے نہ سمجھا کہ ہمارے لیے تو صرف قرآن حکیم اور رسول اللہ ہی قابل تقلید ہیں۔ وہی ہمارے امام ہیں۔ اس لیے میں آپ کے سامنے یہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ اگر PREAMBLE میں یہ چیز واضح کر دی جاتی کہ ہم قانون شریعت کو IN ALL RESPECTS نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس میں بعض عملی دقتیں اور پیچیدگیاں ایسی ہیں کہ ہم اسے پورے کا پورا نافذ نہیں کر سکتے بلکہ ہم اسے قسط وار قسط اور ایسے طریق سے پیش کریں گے کہ عوام اس کے لیے تیار ہوں اور اسے قبول کر لیں تو زیادہ بہتر ہوتا۔ مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ تمام کا تمام قانون شریعت بیک وقت نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ عوام فی الحال اس کے لیے تیار نہیں ہیں انہیں

ابھی سے تیار کرنا پڑے گا۔ اور میرا خیال ہے کہ سیّد احمد بریلوی کی ناکامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ جب اختیار اور اقتدار اُن کے ہاتھ میں آیا تو انہوں نے مسلمانوں کے مزاج اور رُجحانات بدلے بغیر اور اُن کے اندازہ لگائے بغیر پٹھانوں کو ایک دم شرعی اصلاحات کے تابع لانے کی کوشش کی۔ اور انہوں نے وہاں کے مقامی احوال وظروف کو نہ دیکھا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ شریعت کی رُو سے نکاح بیوگان کی اجازت بلکہ تاکید ہے۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ پٹھانوں کی جتنی بیوہ لڑکیاں موجود ہیں۔ وُہ ایک ہفتہ کے اندر اندر اُن سب کی شادیاں کر دیں، قابلِ عمل نہ تھا۔ اور میں سمجھتا ہُوں کہ ہمیں ایک تدریجی اصول کے مطابق قانونِ شریعت کو نافذ کرنا چاہیئے۔ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ لیکن آج ہمارے اعمال، ہمارے تصوّرات اور ہمارے مسائلِ زندگی پر غیر اسلامی رنگ اس طرح چڑھ چکا ہے کہ اسلامی قانون اور اسلامی شریعت کو پوری کی پوری ایک دم رائج کرنے سے ہمیں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ مَیں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہُوں کہ اگر PREAMBLE میں یہ چیز واضح کر دی جاتی۔ اور صاف طور پر بتا دیا جاتا کہ یہاں IN SOME RESPECTS نہیں بلکہ IN ALL RESPECTS قانونِ شریعت نافذ کیا جائے گا۔ اور یقین دلایا جاتا کہ مسلمانوں کے لیئے شریعت کا قانون نافذ ہو گا۔ لیکن بعض دِقّتوں کی بنا پر اسے ایک دم نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ موجُودہ قانون اس کی پہلی قسط ہے جو پیش کی جا رہی ہے۔ اور اس کے بعد دُوسری اور پھر تیسری قسط بھی آئے گی تو مسلمان مطمئن ہو جاتے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ ہمیں ایک عمارت کی تعمیر کرنا ہے۔ اور یہ قانون اس کی بنیاد ہے تو دیکھنے والوں کو اس بات کا یقین ہو جاتا کہ اِن بنیادوں پر ایک بلند عمارت تعمیر ہوگی، ایک محل اُستوار ہو گا۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختیار دیا ہے جب کہ ہم اپنے سیاہ و سفید کے خُود مختار

ہیں۔ تو ہمیں چاہیے تھا کہ ہم اس چیز کو مدِ نظر رکھتے کہ ہمارا تمدّن، ہماری ثقافت اور ہمارا کلچر صحیح طور پر اسلام اور اسلامی اصول اور تعلیمات کے آئینہ دار ہوں تمدّن کیا ہے؟ اسلامی تمدّن یہ ہے کہ جیسے رسول اللہؐ نے زندگی بسر کی تھی ویسی ہی بسر کی جائے۔ اس کا نام اسلامی تمدّن ہے۔ اس ایوان میں اور ایوان کے باہر جب میں مسلمانوں کے منہ سے یہ سنتا ہوں کہ مغرب کی مہذّب قوموں نے یہ کیا ہے وہ کیا ہے ہمیں ان مہذّب قوموں کی تقلید و اتباع کرنی ہے تو مجھے یہ سن کر دکھ ہوتا ہے افسوس آپ لوگوں نے تہذیب اور تمدّن کے الفاظ تو رٹ لیتے ہیں لیکن ان کا مفہوم آج تک کوئی نہیں بتا سکا۔ اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن اپنی جدا قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ اُن کا جدا تصوّر ہے۔ آپ اسلامی تمدّن اور تہذیب کا اطلاق یورپین تہذیب و تمدّن پر نہیں کر سکتے۔ کیا یہ مغربی اقوام مہذّب متمدّن ہیں۔ کیا اُنھوں نے پچھلی جنگ میں تہذیب و شرافت کا مظاہرہ کیا ہے؟

تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر گرگ کو ہے برّہ معصوم کی تلاش

وہ لوگ تہذیب و تمدّن کو کیا جانیں جو بستیوں کی بستیاں جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔ انسانوں کو، پُرامن انسانوں کی غیر مصافی آبادی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ نہ بچے کو چھوڑتے ہیں نہ بوڑھے کو نہ عورت کو۔ اسلام میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ اُٹھانا حرام ہے۔ اور اسلامی جنگ کے اصولوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو امان طلب کریں اُن کو امان دو۔ اور جو مقابلہ میں آئے اُس سے ڈٹ کر لڑو لیکن آج کل کی مہذّب قوموں کی جنگ یہ ہے کہ جو بھی ہو اُسے برباد کر دو۔ اس قسم کی جنگ کرنے والے انسانیت کے اصولوں سے ناآشنا تمدّن اور تہذیب

کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اسلامی تہذیب ہی ایک ایسی تہذیب کا نمونہ پیش کرتی ہے جس میں اِنسان کے حقوق محفوظ ہیں۔ اور قوانینِ شریعت ہی ایسے قوانین ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے اور جن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اِنسان صحیح معنوں میں اِنسان بن سکتا ہے اور اِنسانیت کے معراج کو پہنچ سکتا ہے۔ اِس وقت آپ جس چیز کو قبول کرنے میں تامّل کر رہے ہیں۔ اِنشاء اللہ اسے آپ قبول کریں گے۔ اور وُہ وقت آئے گا کہ آپ اس کو اپنے لِئے نسخہ شفا سمجھیں گے۔ اِس وقت دو صدیوں کی غلامی کی بدولت ہمارے تصوّرات بدل چکے ہیں۔ ہمارا زاویہ نگاہ بدل چکا ہے۔ مگر عنقریب وُہ زمانہ آئے گا جب کہ ہمیں اس چیز کا اِحساس ہو گا کہ ہماری فلاح و بہبود اِسی میں ہے کہ ہم انہی اصولوں پر کاربند ہوں اور اُنہی راستوں پر گامزن ہوں جو ہمیں اِسلام نے بتائے ہیں۔ اور مَیں سمجھتا ہُوں کہ اِس میں میرے تبلیغ کرنے کی بھی چنداں ضرُورت نہیں۔

اَب مَیں ایک اور POINT کی طرف آتا ہُوں۔ وُہ یہ ہے کہ آپ تقلیدِ فرنگ میں زندگی کے مسائل کو الگ الگ نہ دیکھیں۔ ابھی وراثت کا مسئلہ درپیش ہے تو اسے اِسلامی نقطہ نگاہ سے حل کریں۔ اور جب اِصلاحاتِ اراضی کی بات ہو تو آپ رُوس کی طرف آنکھیں اُٹھا کر رہنمائی کے متلاشی نہ ہوں۔ آپ کو تو صرف ایک ہی نظریہ سامنے رکھنا ہے کہ زندگی کے جُملہ مسائل من کل الوجُوہ ہم اِسلام کی رُو سے حل کریں گے۔ اور اِسلامی نُور سے اپنی تاریک رات میں اُجالا کریں گے۔

اگر آپ اِسلامی طریق کو مکمل طور پر قبول کریں گے اور بجائے کچھ حصّہ کے سب حصّوں پر عمل کرنے کے لِئے تیار ہوں گے تو آپ کے اس مکمل پاس شدہ قانون کی مثال اس چمکتے ہُوئے ہیرے کی مانند ہو گی جو انگوٹھی میں جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اگر آپ شریعت کے قانون کو فوری طور پر مکمل نہیں کر سکتے تو آپ کو کون کہتا ہے کہ اِس

بل کا نام شریعت بل رکھیں۔ آپ اس بل کا نام وراثت بل رکھیں۔ اصل میں نام یہ بل کا ہے۔ پرسنل لاز بل، لیکن بریکٹ میں صرف "شریعت" لکھ کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ شریعت بل ہے اسے تو "بریکٹی اینگلو محمڈن بل" کہا جائے تو زیادہ موزوں ہو گا۔ ہمیں ناقص بل کی ضرورت نہیں ہمیں تو وہ بل چاہیئے جو اسلام کے مقصد کو پورا کرے۔ اور ایک صحیح اور مکمل بل ہو۔ میں حیران ہوں کہ انہوں نے "پرسنل لاز" کا ترجمہ شریعت بل کس طرح کر لیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے زکوٰۃ کا ترجمہ POOR TAX کر دیا گیا ہے حالانکہ زکوٰۃ کا یہ ترجمہ نہیں ہے۔ یہ "اسلامی مصطلحات" ہیں۔ انہیں ان کی اصل شکل میں رکھنا ہو گا۔ ہاں وضاحت اور تشریح کے لیئے آپ ان کے لیئے دوسرے جملے بڑھا سکتے ہیں پس "مسلم پرسنل لاز" شریعت بل نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ذہن کے پس پردہ پرانی چیز موجود ہے۔ اور ابھی ذہنیت میں تبدیلی نہیں آئی۔ اسی لیئے اسی چیز کو شریعت کا نام دے دیا ہے۔ اب اس ذہنیت کو بدلنا چاہیئے۔ اور اس کا تدارک فی الفور ہونا چاہیئے۔ اور اصل اور پوری چیزوں کو سامنے لانا چاہیئے۔ کہتے ہیں اگر مکمل قانون کا نفاذ کیا گیا تو نا قابل برداشت ہو گا۔ میں کہتا ہوں کہ اس وقت ہم منتظر ہیں اسلامی قانون فوجداری اور دیوانی کے۔ اور صرف یہی قوانین موجودہ بے راہ روی، فحاشی بدعنوانی اور ظلم و ستم کو دور کر سکتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی ناعاقبت اندیشی سے اسلامی حدود اور تعزیرات کو ظالمانہ کہتے ہیں۔ بات یہ ہے یہ لوگ زمانہ کی منافقت اور ملمع سازی کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔ حالانکہ آج کل کے مجرمین زیادہ خطرناک ہیں۔ اور ان کا علاج صرف اسلامی حدود و تعزیرات سے ہو سکتا ہے۔ ہم درندگی کی حد تک جا پہنچے ہیں اس لیئے ہماری اصلاح کے لیئے اب سخت سے سخت قوانین آنے چاہئیں۔ تاکہ مہذب دنیا میں زنا، شراب خوری اور جوا بازی جیسے کھلے بندوں ہونے والے جرائم کو روکا جا سکے۔ زنا، شراب خوری، جوا بازی، سود اور اسی قسم کے دوسرے خباثت

جو اسلام میں حرام ہیں۔ ان کے متعلق مَیں عرض کروں گا کہ اس کا ضرور اور جلد از جلد انسداد کریں۔ پہلے تو ہم مجبور تھے۔ کیونکہ انگریزوں کی حکومت تھی۔ اِس لِئے شراب خانے جاری تھے، جوا بازی ہو رہی تھی۔ اور زناکاری کی کھلے بندوں اجازت تھی۔ اور ہم بے بس تھے۔ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ لیکن اب ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اب ہمیں ان تمام چیزوں کو ممنوع قرار دے دینا چاہیئے۔ اور اگر کوئی جوا بازی یا زناکاری کرتا ہو تو اس کے لِئے مقررہ گواہ حاضر کر کے اور اُس کے جُرم کو ثابت کر کے سزا دی جائے پس ضروری ہے کہ وراثت کا بل پاس ہونے سے پہلے اِن باتوں کو بھی اِس بل میں لایا جائے۔ اگر ان باتوں کا فیصلہ کئے بغیر وراثت کے بِل کو پاس کر دیا گیا تو بہت سے نقائص پیدا ہوں گے۔ چاہیئے کہ جب تک زنا پر حد نہ ہو۔ جب تک شراب خوری اور قمار بازی پر تعزیر نہ ہو، اس وقت تک یہ بِل پاس نہ کیا جائے۔ اگر آپ نے یہ بِل پاس کر دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مخرّبِ اخلاق اور مفسدِ ایمان فحاشی کے اڈے بداخلاقی کے مرکز اور تبرج الجاہلیت کے نظارے بدستور باقی رہیں گے۔ صرف عورت کو مالی فوائد حاصل ہو جائیں گے۔ اِسلامی مالی منافع سے پہلے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔ زندگی کی ضیاپاشیوں کو رفع کرنا ہے۔ وراثت تو صرف اقتصادی نظام کو عدل و مساوات میں لانے کا نام ہے۔ اور ایک مظلوم طبقہ کی دادرسی ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مَیں اس کا زبردست مؤید اور حامی ہُوں۔ لیکن مَیں ایک قدم آگے جاتا ہُوں، وُہ یہ ہے کہ اِس بِل کے ساتھ ساتھ ان مفاسدِ ایمان اور مخرّبِ اخلاق قباحتوں کے خلاف بھی پابندی لگا دیجئے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اِس وقت آپ کو شراب سے آمدنی ہے۔ یہ ایک حرام کی دولت ہے جو قطعاً روا نہیں۔ اسے جُوں کا تُوں رکھ کر محض "وراثت بِل" پاس کر کے آپ کھلے بندوں اِجازت دے رہے ہوں گے کہ جائیداد لے لینے کے بعد عورت اپنے والدین کی مرضی کے بغیر کِسی کے ساتھ چلی جائے۔ اور

اپنے متقی اور دیانت دار باپ کی جائیداد اپنی ہر قسم کی خواہشات کے لیے صرف کرلے اُنہیں اُن کا حق نہیں دیا جا رہا۔ بلکہ اُنہیں یہ لائسنس دیا جا رہا ہے کہ وُہ روپیہ کی کمی کو اس ذریعہ سے پُورا کریں اور اپنے راستہ کی رُکاوٹ کو دُور کر کے ہر قسم کی جو بھی حرکات چاہیں کریں۔ آپ اِس وقت جذبات کی رَو میں یہ قانون پاس کر رہے ہیں۔ وقت آنے پر آپ محسُوس کریں گے کہ آپ نے جلدی کر کے غلطی کی۔ اِس قانون کے پاس ہونے کے بعد آپ کو ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ لڑکی حصہ لے کر ایسی سوسائٹی میں جا رہی ہے جو والدین کی مرضی کے خلاف ہے۔ اور لڑکی کے لیے تباہ کُن ہے۔ ایسی حالت میں چاہیئے تو یہ کہ آپ ان کو CHECK کریں لیکن ہو یہ رہا ہے کہ آپ اس کے بالکل برعکس اُن کو مزید کھُلا چھوڑ رہے ہیں۔ میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ عورتوں کے حقوق مارے جائیں۔ ان کو حقوق دیئے جائیں۔ لیکن لوازمات کو پُورا کر کے حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض کا بھی احساس دِلا کر۔ یورپ والوں نے عورت کو بلند کرنے کے لیے بہت کچھ کیا لیکن ۱۷۹۶ء تک ان کے سامنے یہی بحث تھی کہ آیا عورت میں رُوح ہے یا نہیں۔ حصہ دینا تو بجائے خود رہا۔ یہ وہاں پر نہایت ہی ذلیل خیال کی جاتی تھی اسلام نے عورت کی عزّت کے لیے اس کو جو حقوق دیئے اور جو درجہ اس کو دے دیا ہے وُہ کسی نے آج تک نہیں دیا ہے۔ اِسلام کہتا ہے ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ۔ تم اُن کے لیے مُوجب عزّت وسکُون ہو اور وُہ تمہارے لیے مُوجب عزّت وسکُون ہیں۔ یہ وُہ درجہ ہے کہ اِسلام نے عورت کو دیا ہے اور جس پر ہم عمل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مَیں اِس بات کے خلاف ہُوں کہ ایک قانون اَدھُورا پاس کر دیا جائے۔ نِصف چھوڑ دینا اور نِصف قبول کرنا اسلامی قانون کے خلاف ہے۔ قانون مکمّل کر کے پاس کیا جائے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۔۔۔۔۔۔۔ الخ

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔

اس آیت کی رُو سے ہمارا فرض ہے کہ جن احکامِ الٰہی پر ہم عمل پیرا ہوں اُنہیں تمام و کمال پیشِ نظر رکھیں۔ اُدھوری تقلید احکامِ الٰہی کا ایک گونہ اِنکار ہے۔ ہم عورتوں کے حقوق دینے کے لئے تیار ہیں لیکن ان حقوق کے ساتھ جو دُوسرے فرائض ہیں ان کو بھی قبول کرنا تو عورتوں کا فرض ہے۔ اور ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے ان کو مجبور کریں کہ وُہ ان فرائض کو بھی ادا کریں۔ فرائض کو قبول نہ کرتے ہُوئے حقوق کو لینا اِسلامی اصولوں سے مذاق ہے۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ ..... الخ کیا تم بعض احکام پر تو ایمان لائے ہو اور دُوسروں کا اِنکار کرتے ہو۔ (القرآن)

یعنی تم بعض حِصّوں پر تو ایمان لے آئے ہو۔ اور بعض حِصّوں کو جو تمہاری خواہشات کے خلاف ہیں چھوڑ دیتے ہو۔ پس کچھ حِصّے کو چھوڑ کر ہم کبھی خدا تعالیٰ کو راضی نہیں کر سکتے۔ صرف اسی صورت میں اپنے خدا کو راضی کر سکتے ہیں جب کہ ہم اُن فرائض اور اُن پابندیوں کو پُورا کریں جو ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ اِسی سے ہمارے ضمیر تسکین پا سکتے ہیں اور یہی ہماری کامیابی کا راستہ ہے۔ اِس بِل کے بعد میں دو تین چیزیں ایسی پیش کرتا ہُوں۔ جن پر اگر عمل درآمد ہو تو میری تسلی ہو سکتی ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ ان پر عمل درآمد نہیں ہوگا۔ مجھے اِس بات کا خدشہ ہے کہ ضابطہ فوجداری اور ضابطہ دیوانی میں اِسلامی طرز کا اِنقلاب نہیں ہوگا۔ اگر آپ اِسلامی طریق پر غور کریں گے تو آپ پر یہ امر منکشف ہو جائے گا کہ اِسلامی قانون اِس زمانہ میں بھی ماڈرن ہے۔ اور جتنے زمانے آئیں گے ان زمانوں میں بھی بہت آگے ہوگا۔ پس اسلامی قوانین سے مت گھبرائیں۔ بلکہ اِسلامی آئین کو ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری میں داخل کریں آئین ساز اسمبلی کو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اب پہلا زمانہ گزر چکا ہے، اب باگ ڈور آپ

کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ اگر آپ نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا تو آپ خُدا تعالےٰ کے سامنے مجرم ہوں گے۔ اور آپ کی زندگی کفر کی اور غیر اسلامی زندگی ہوگی۔ تو میں عرض کروں گا کہ حکومت ایک "ریسرچ بورڈ" بٹھلائے۔ جس میں علماء۔ اور فقہاء ہوں۔ جو فقہ اسلامی کی تدوین کرے۔ اور احکامِ الٰہی کی تشریح کرے۔ نئے پیدا شدہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلامی حل تلاش کرے۔ اگر ایسے آدمی مل جائیں جو موجُودہ قوانین اور اسلامی قوانین یعنی دونوں قوانین سے واقفیت رکھتے ہوں تو زیادہ مفید ہوگا۔

آپ کو سمجھانے کے لئے بار بار دُہرا رہا ہوں میں عرض کر رہا تھا کہ اگر ایک ایسی کمیٹی بنا دی جائے۔ جو "اسلامی قوانین" کی ریسرچ کرے اور اُن کی اُردو میں تدوین کرے۔ اگر اس طرح کر دیا جائے تو وزارت کے کام میں بہت زیادہ سہولت پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ ہاؤس میں پیش کرنے کے لئے اُسے بنا بنایا آئین مل جائے گا۔ آخر میں میں پھر عرض کروں گا کہ اگر شریعت بل کے پاس ہونے میں اس لئے دیر لگتی ہے کہ ابھی اسے مکمل کرنا ہے۔ تو اسے ضرور التوا میں ڈالا جائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ شریعت بل مکمّل صورت میں ہی عورتوں کے لئے فائدہ مند ہے۔ موجُودہ صُورت میں کئی قباحتیں موجُود ہیں۔ جن کا رفع کرنا ضرُوری ہے۔

مولانا نیازی کا پر دہ بل

تقریر، مورخہ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۵۱ء

(اسمبلی کی سرکاری رپورٹ، جلد دوم۔ جز ۴)

"جنابِ والا! اس بل کو اس ایوان میں پیش کرنے سے میرا مقصد اور مدعا یہ ہے کہ اس وقت ترقیٔ نسواں کے نام سے بے پردگی کی جو تحریک چل رہی ہے اور جسے اسلام کا نام لے کر ہوا دی جا رہی ہے اس کا انسداد کیا جائے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بعد مُلک کے اندر ہماری مِلّی زندگی کی جو عزیز ترین اقدار تھیں، ان میں سے ایک ایک کی بے حُرمتی ہو رہی ہے۔ وُہ اقدار ظالمانہ انداز سے توڑی جا رہی ہیں۔ اور اسلامی معاشرت کا مِلّہ کا وُہ بلند و بالا تصوّر جس کے لیئے ہم نے پاکستان کی جنگ جیتی تھی۔ اور جس کی خاطر قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کی قیادت میں ہم نے سر دھڑ کی بازی لگائی تھی۔ آج اُس تہذیب و تمدّن کی ہیئتِ ترکیبی کو ہمارے اینگلو محمڈن طبقات جو کہ بدقسمتی سے قوم کے امام بھی بن گئے ہیں، اپنے ہاتھوں تباہ کر رہے ہیں۔ قوم کی تہذیب و تمدّن کا یہ خوفناک حشر ہر ذی ہوش اور غیرت مند مسلمان کو مجبور کرتا ہے کہ وُہ اس کے تحفّظ و بقا کے لیئے امکانی جدوجہد کرے۔ پردہ بل اسلامی معاشرت اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے تحفّظ، بقا اور ارتقا کے لیئے ناگزیر ہے۔

جنابِ والا! جب قائدِ اعظم نے گاندھی سے خط و کتابت کے دوران میں کہا تھا کہ ہم پاکستانی اس لیئے جُدا قوم ہیں کہ ہماری معاشرت جُدا ہے، ہمارا اخلاق جُدا ہے ہمارے ناموس کا تصوّر علیحدہ ہے۔ تو کیا ان کا یہ مقصد تھا کہ پاکستان کی دُختریں بھی بھارت کی سیتریوں کی طرح بے حجاب اور بے حیا ہوں گی۔ ننگے شانے ننگی گردنیں ننگے بازوؤں اور ننگی ٹانگوں سے انارکلی اور مال روڈ کی وُسعتیں ناپیں گی۔ قہوہ خانوں، ہوٹلوں اور رقص گاہوں کی رونق بڑھائیں گی۔ اسکولوں اور کالجوں میں بھانڈوں

اور راس دھاریوں کی طرح سوانگ رچا کر ڈرامے کھیلیں گی صلیب احمر کے نام پر مینا بازار لگائیں گی۔ اور غیر مردوں کے سامنے ناموسِ قومی کو نظر انداز کرتے ہوتے کانیں لگا کر سودا بیچیں گی۔ اور بغیر نفیر عام کے حالات کے گھر کے معاملات مردملازموں پر چھوڑ کر خود نامحرموں کی تیمارداری کے عذر سے نرسنگ کا پیشہ اختیار کریں گی۔ حالانکہ ملک میں کروڑوں مرد بیکار بیٹھے ہیں جو یہی کام باآسانی سرانجام دے سکتے ہیں۔ کیا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواجِ مطہرات اور صحابیات انہیں آداب سے جنگ میں جایا کرتی تھیں۔ اور کیا مسلمانوں کے سلف صالحین کی مستورات اِسی نمونہ سے جنگیں لڑا کرتی تھیں۔ اور قومی مہمات میں یونہی نیم عریاں ہو کر حصّہ لیا کرتی تھیں۔ اور کیا ان کو قوم کی خدمت سے زیادہ نام ونمود اور اخبارات میں فوٹو چھپوانے اور مردوں سے مصافحہ کی یونہی ہوس ہوا کرتی تھی۔

"جناب والا! اگر ایسا نہیں تھا۔ اور یقیناً ایسا نہیں تھا۔ تو ایسی ہر حرکت دو قوم کے نظریہ پر ایک کاری ضرب ہے۔ یہ بھارت اور پاکستان کی تہذیب کو یکساں کرنے کی وُہ سازش ہے جو نہرو کی رابطۂ عام کی تحریک بھی کامیاب نہ بنا سکی لیکن افسوس ہے فرنگی کے تمدّن سے ملوّث چند گندی مچھلیاں اسے ہماری قومی زندگی کے ہر شعبہ میں کامیاب بنا رہی ہیں۔ یہ صرف دین کی بے حرمتی نہیں۔ یہ پاکستان کی جڑ پر کلہاڑا چلانا ہے۔ یہ ہماری وحدتِ قومی کو قائم رکھنے والے اصولوں کو ختم کرنا ہے۔ یہ غدّاری وطن ہے۔ یہ نسل کُشی ہے۔ بجائے اس کے کہ یہ اُمّتِ رسُولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کی تقلید میں اپنا صحیح مقام حاصل کرے۔ یہ عصرِ رواں کی جاہلیّتِ جاہلہ کے گڑھے میں گر کر خود اپنی ہلاکت کا سامان مہیّا کر رہی ہے اور اپنے آپ کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہے"

"جنابِ والا! جہاں تک اِسلام کی زندہ قوت کا تعلق ہے اس نے جہالت، بے حیائی، بے پردگی اور صنفی آوارگی کے طوفانوں کا نہایت ہی جرأت اور پامردی

کے ساتھ پہلے بھی مقابلہ کیا ہے اور انشاء اللہ اب بھی وہ اس اُٹھتی ہوئی جاہلیت کی لہر کو ختم کر دے گی۔ یہ امر ہر ایک پر اچھی طرح واضح ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسلام کی دعوت پیش کی تو اس وقت کی بے حیائی اور فحاشی موجودہ دور کی صنفی آوارگی سے ذرا برابر بھی کم نہ تھی۔ بلکہ مغرب کی معاشرتِ جاہلہ سے ایک قدم آگے ہی تھی حتیٰ کہ اس زمانہ میں عورتیں برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتی تھیں اور یہ شعر گایا کرتی تھیں ؎

الیوم یبدو بعضہ او کلّہ وما بدا منہ فلا احلّہ

(یعنی آج کچھ حصہ اس کا یا پورا کھل جائے گا۔ اور جو کھلا ہے اس کو میں حلال نہیں کرتی)

اس جاہلیتِ جاہلہ میں عکاظ کے میلے پر مینا بازار لگتے تھے۔ مرد و زن کا آزادانہ اختلاط ہوتا تھا مرد اور عورتیں اپنے بے حیائی کے قصے عام جلسوں میں مزے لے لے کے سنایا کرتے تھے۔ غرض شراب، جوا اور بد اخلاقی کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہ رہ گیا تھا جس میں انہیں ید طولیٰ حاصل نہ ہو لیکن زمانہ گواہ ہے اور تاریخ کے اوراق اس امر کے شاہد عادل ہیں کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس بے حیائی اور جہالت کے تمام آثار کو ایک ایک کر کے ختم کیا۔ اور عرب کے ان کندۂ ناتراش بدوؤں کو زیور تہذیب سے آراستہ کیا۔ اسی طرح اب بھی اس اُمّت کا فرضِ منصبی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے نقشِ قدم پر چل کر عصرِ حاضر کی غلط تہذیب کے رجحانات کا مقابلہ کرے۔ یہ پردہ بل اس کی ابتدا ہے۔

"جناب والا! اس محترم ایوان کے اندر (مسٹر ابو سعید انور۔ حیوان ادھر (حکومت بنچز کی طرف اشارہ کر کے) بیٹھے ہیں (قہقہہ) اراکین اسمبلی خوب جانتے ہیں کہ ایوان کے سامنے قوانین کے جو مسوّدات پیش کئے جاتے ہیں، ان کو مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلے مرحلے میں ایوان صرف کسی قانون کو زیر غور لانے

کی اجازت دیتا ہے۔ اس پہلے مرحلے میں اس قانون کی تفصیلات پر توجہ نہیں کی جاتی۔ صرف اصولاً یہ دیکھا جاتا ہے کہ آیا اس قانون کا منشاء اور مقصد صحیح ہے کیا اس منشا اور مقصد کے لیے اس قسم کے کسی قانون کی ضرورت ہے۔ کیا مسودۂ قانون کا ڈھانچہ اور صورت اس کے منشاء اور مقصد سے بالکل غیر متعلق تو نہیں۔ جب ایوان کسی مسودہ قانون کو زیرِ غور لانے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پہلا مرحلہ ختم ہو جاتا ہے۔ ازاں بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں مجوّزہ قانون کی تفصیلات پر غور کیا جاتا ہے۔ اس کی نوک پلک ٹھیک کی جاتی ہے۔ جانچ پڑتال کی جاتی ہے کہ کیا قانون کے تمام مقاصد اور اثرات لازمی اور قابلِ قبول ہیں کیا قانون کی تمام دفعات منظور کردہ مقصد کی پابند ہیں۔ کیا کسی دفعہ کے الفاظ اور طرزِ بیان میں کوئی خامی تو نہیں۔ اس دوسرے مرحلے کے بعد تیسرا مرحلہ یہ آتا ہے کہ جس مسوّدہ قانون کے مقاصد اور الفاظ یہ ایوان منظور کر چکا ہوتا ہے اس کو باقاعدہ سرکاری قانون کی حیثیت دے دی جاتی ہے۔

"جناب والا! اس وقت جب کہ میں آپ کے سامنے پنجاب پردہ بل کی پہلی خواندگی پیش کر رہا ہوں تو محترم اراکین کو یہ غور نہیں کرنا کہ آیا میں نے پردہ کی جو تعریف اپنے بل میں پیش کی ہے اس میں کہیں کسی شوشہ کی کوئی غلطی تو نہیں رہ گئی۔ انہیں یہ بھی فیصلہ نہیں کرنا کہ میں نے پردہ کے لیے جو عمر تجویز کی ہے وہ ایوان کے ہر ممبر کے نزدیک صحیح ہے یا غلط۔ ان سے یہ بھی نہیں پوچھا جا رہا کہ پردہ کی خلاف ورزی کے لیے جو مختلف مدارج اور سزائیں میرے مسوّدہ قانون میں درج ہیں۔ کیا وہ ان کی ہر ایک تفصیل کو قبول کرتے ہیں۔ اس مرحلے پر آپ کو صرف یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کیا اسلام میں عورت کے جسم کے کسی حصّہ کا پردہ بھی واجب ہے یا نہیں؟ کیا شہروں اور دیہات میں کوئی جگہ بھی ایسی ہے جہاں خواتین

کی بے پردگی کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا جا سکے۔ اگر میرے مسوّدۂ قانون میں ستر کی تعریف یا فہرست مرتب کرنے میں غلطی ہو گئی ہو تو قانون زیرِ غور آنے پر ایوان کی کثرتِ رائے اس کی اصلاح کر سکتی ہے۔ اگر پردہ کے متعلق میری تجویز کردہ عمر سے کسی رُکن کو اختلاف ہو تو وہ ترمیم پیش کر کے شرعی دلائل بیان کر سکتا ہے۔ اگر کوئی رُکن عقیدہ رکھتا ہے کہ ہاتھ، پاؤں یا مُنہ کا ستر واجب نہیں تو وُہ بھی بعد میں ترمیم پیش کر کے اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ اگر کوئی رُکن میری تجویز کردہ تعزیر کو نامناسب خیال کرتا ہے تو وُہ اس کے بجائے خود علیحدہ تعزیری بل میں داخل کرنے کی تحریک کر سکتا ہے۔ ایوان کا دستور دُوسرے مرحلے پر ایسی ترامیم کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن جو شخص اس بل کی پہلی خواندگی کے بعد اس کی مخالفت کرنے کے لیے اُٹھتا ہے گویا وُہ یہ کہتا ہے کہ از رُوئے اسلام کسی حِصّہ جسم کا پردہ پنجاب کے شہروں اور بستیوں میں کسی مقام پر واجب نہیں۔ اور ہر قسم کی بے پردگی کی پُوری اجازت ہے اور اس پر کوئی قانونی تعزیر نہ ہونی چاہیئے۔

جنابِ والا! مجھے یہ تمہیدی وضاحت اس لیے پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہُوئی کہ اخبارات میں کانا پھُوسی (WHISPERING CAMPAIGN) کے ذریعہ اور کھُسر پھُسر کی مہم شروع کر کے ایک عرصہ سے پردہ بل کے خلاف یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ یہ نوکٹ مُلّاؤں کا مسوّدۂ قانون ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو نوکریوں اور اعلیٰ عہدوں کے منصب سے اُوپر نہ اُٹھنے دیا جائے۔ یہ قانون تو ترقّی نسواں میں رکاوٹیں ڈالنے کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کا منشا عورتوں کو ذلیل کرنا اور اُن کی تحقیر کرنا ہے۔ اگر یہ قانون بن گیا تو تمام عورتیں قانون تحفّظِ عامہ (PUBLIC SAFETY ACT) کے ماتحت جیلوں میں قید ہو جائیں گی۔ دیہات کے کھیتوں میں عورتوں کا کام کاج بند ہو جائے گا۔ پاکستان کی زراعت تباہ ہو

جائے گی۔ غریب اور بیوہ عورتیں فاقہ کشی پر مجبور ہو جائیں گی۔ پاکستان تمام دُنیا میں رجعت پسند مشہور ہو جائے گا۔ سڑکوں پر چلتے پھرتے خیموں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا۔ اور آمد و رفت کے حادثات بڑھ جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

"جناب والا! میں نے جو مسوّدۂ قانون پیش کیا ہے۔ خود اس کے الفاظ شہادت دے رہے ہیں کہ اس کا مقصد صرف منظرِ عام پر مقاماتِ ستر کی مجرمانہ نمائش کی تعزیری ممانعت ہے۔ اس بل میں مجرم ہی نہیں بلکہ مجرم کے لیئے بھی سزا تجویز کی گئی ہے۔ اگر بے حجاب خاتون کے لیئے سزا ہے تو بے محابا دیکھنے والے کو بھی شریکِ جُرم سمجھا گیا ہے پردہ بل پیش کرتے ہُوئے میں اپنے لیئے کسی علمی یا مجتہدانہ فضیلت کا مدعی نہیں، نہ ہی اپنے آپ کو عقلِ کُل سمجھتا ہُوں۔ اگر میرے ذخیرۂ الفاظ نے مجھے "منظرِ عام" یا "ستر" یا "مجرمانہ نمائش" یا "تعزیری ممانعت" یا "شریکِ جُرم" وغیرہ اصطلاحات کی وضاحت میں یارا نہیں دیا، اگر میں نے کتاب و سُنّت اور سلف صالحین کی پیروی میں کہیں ٹھوکر کھائی ہے تو کیا اِس ایوان کے ہر مسلمان ممبر کا یہ فرض نہیں کہ وُہ میری اِصلاح کر کے قوم کو بے پردگی کے سیلاب سے بچانے کی کوشش کرے اور اِس میں میری مدد کرے۔ کیا یہ ایوان قوم کی مجلسِ مشاورت نہیں۔ کیا یہاں کے ہر رُکن کا مذہبی فرض نہیں کہ وُہ قوم کی غیرت اور پردہ کی حفاظت کے لیئے نیازی کی طرح بلکہ نیازی سے بڑھ کر قدم اُٹھاتے؟ اگر مقصد کسی شرعی کوتاہی یا خامی کی اصلاح ہے تو کیا یہاں کا ہر رُکن جو توحید اور ختمِ نبوت پر ایمان رکھتا ہے مکلّف نہیں کہ میری اعانت کرے۔ از رُوئے آئین یہ ایوان ایک وحدت ہے۔ یہ قوم کی مجلسِ شوریٰ ہے۔ اِس میں اِس امر پر بحث نہیں ہونی چاہیئے کہ اِس بل کا حامی کون ہے اور مخالف کون؟ کیونکہ اِس ایوان کا مقام، ملی نظام میں مشترکہ ذمہ داری کا مقام ہے۔ اِس کے فیصلے سب پر عائد ہوتے ہیں اور سب کو ان کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اِس کے مختلف گروہ ایک دُوسرے کی لفظی غلطیوں کو طول دینے

اور ان میں "میں میخ" نکالنے کے لیے یہاں جمع نہیں ہوتے۔ یہاں ایک پارٹی کے جیتنے یا دوسرے فریق کے بازی لے جانے کا ادنیٰ سوال درپیش نہیں۔ بلکہ سوال تو ایک زبردست قومی مصلحت کو پورا کرنے کا ہے۔ باوجود اس کے اگر پردے کا بنیادی مسئلہ نظر انداز کر کے جھوٹا پراپیگنڈا کیا جائے۔ اور چھوٹے چھوٹے مغالطے پھیلا کر پردہ بل کو ایوان کے سامنے پیش کرنے سے ہی روکا جائے تو دنیا سمجھ جائے گی کہ مقصد نیازی کی کم علمی یا شرعی کوتاہی کی اصلاح نہیں۔ بلکہ اس جھوٹے پراپیگنڈے کے پیچھے دراصل گمراہوں اور بے پردہ بیگمات کے بے غیرت شوہروں اور بے اصول مداحوں کا ہاتھ ہے۔ اس لیے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اس بل کے اغراض و مقاصد پر ٹھنڈے دل سے غور و خوض کریں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ اس میں میں نے جو مصطلحات بیان کی ہیں ان سے آپ کو اختلاف ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ اس بل میں ستر کی جو تعریف ہے اس میں آپ کو کلام ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ اس بل میں مجرم اور مجرمہ کے الفاظ نہیں ہونے چاہئیں یا اس کے متعلق آپ کو کوئی اور اختلاف ہے تو آپ بخوشی ترامیم پیش کر سکتے ہیں۔ آپ میری کسی شق کو اڑا کر اپنی شق داخل کر سکتے ہیں۔ میں نے اس بل میں عمر کی جو قید رکھی ہے۔ اس کے متعلق اور سزا کے متعلق ترامیم لا سکتے ہیں آپ کو پورا اختیار ہے کہ جب بل دوسرے مرحلہ پر ہو تو آپ اپنی ترامیم پیش کریں لیکن میری حیرت کی کوئی حد باقی نہیں رہتی جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ آپ اکثریت کی پارٹی اپنی قوت کے زعم میں اسلامی معاشرت کے تحفظ اور بقا کے اس اہم اقدام کے متعلق اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتی۔

"جناب والا! یہ کہا جاتا ہے کہ پردہ بل پاس ہو گیا تو دیہات میں پولیس کے سپاہیوں اور بدمعاش افسروں کو شریف بیبیوں پر ناجائز مقدمے دائر کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے گا۔ میں پوچھتا ہوں کہ وہ کیسی شریف بیبیاں ہوں گی جو منظر عام پر مقامات

ستر کی نمائش کا ارتکاب کریں گی، جاہلیت کا بناؤ سنگار کر کے مردوں کے سامنے آئیں گی اور بے پردگی کے جرم میں ماخوذ ہوں گی ایسی بیبیوں کو شرافت کے کسی قاعدے کی رو سے شریف نہیں کہا جا سکتا "مسلمان عورت چراغِ خانہ ہے، شمعِ محفل نہیں" دوسرے اگر یہ سمجھا جائے کہ پولیس جھوٹے مقدمات دائر کرے گی۔ تو پھر کیا اس منطق کی رُو سے یہ بھی لازم نہیں سمجھا جاتا کہ چوری، قتل اور رشوت وغیرہ ہر جرم کے دائرہ سے شریف بیبیوں کو مستثنےٰ قرار دے دیا جائے تاکہ پولیس کے لئے ان پہ جھوٹے مقدمات بنانے کا امکان نہ ہے۔ تیسرے اگر حکومت کی صفوں میں بیٹھنے والوں کو اپنے افسروں اور پولیس پر یہی بداعتمادی ہے تو پھر وہ ہر روز نت نئے قوانین ہمارے سامنے پیش کر کے ان کے اختیارات میں توسیع کی سفارش کس بل بوتے پر کرتے رہتے ہیں۔ اگر پولیس اور سرکاری افسر پردہ ایکٹ کے اختیارات کے مستحق نہیں تو تعزیراتِ پاکستان، قانون تحفظِ عامہ (PUBLIC SAFETY ACT) اور ذری سے قوانین" جن کا "زرعی اصلاحات" کے نام سے چرچا ہے، کو نافذ کرنے کے اختیارات کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں۔

شریف بیبیوں کی حفاظت تو ایک بہانہ ہے دراصل بے پردہ بیبیوں کی جنبہ داری ان حیلوں بہانوں سے کی جاتی ہے۔

"جناب والا! کہا گیا ہے کہ چونکہ قرآن کریم میں پردہ کی خلاف ورزی کے لئے کسی سزا کا ذکر نہیں اس لئے میں نے پردہ بل پیش کر کے قرآن مجید میں ترمیم کرنے کی جسارت کی ہے۔ یہ اعتراض بھی اس بل کے مقصد و مدعا کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ اسلامی اجتہاد و تدوینِ احکام کی ابجد سے بھی واقف نہیں ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قانونِ اسلامی میں ایک "حدود" ہیں اور دوسری "تعزیرات" "حدود" قرآن کے اندر مذکور ہیں لیکن تعزیرات مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر امام کی رائے

پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ مثلاً جھوٹ، جعل سازی اور رشوت ستانی کی سزا کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے۔ اسی طرح ترکِ صوم وصلوٰۃ، ترکِ زکوٰۃ، فریب دہی اور ایسے دیگر بیسیوں جرائم جن کی قرآن میں ممانعت ہے لیکن سزا مصلحتِ وقت پر معلّق رکھی گئی ہے اگر اخلاقی ضابطوں کی تکمیل اور حقوق العباد کے تحفّظ کی خاطر کوئی قانون سازی قرآن میں ترمیم کے مصداق ہے تو اس صوبہ کی حکومت شراب کی بندش اور سزا کا قانون بنا کر پہلے سے ہی قرآن میں ترمیم کے جرم کی مرتکب ہو چکی ہے۔ ترمیم قرآن ایک ایسا عذرِ لنگ ہے جو معترض کی جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ قرآن کریم نے مجتہدین کو اختیار دیا ہے کہ وہ اوامر و نواہی کو سامنے رکھتے ہوئے تعزیرات مرتب کر سکتے ہیں تاریخِ اسلام سے ہزاروں واقعات اس کی تائید میں موجود ہیں۔ مگر برا ہو فرنگی کی وقتی ہوئی اس (MATRICULATE LOGIC) (منطقِ اسکولی) کا کہ اس نے اسلام اور کفر کی آمیزش سے ایک خطرناک ملغوبہ ذہن پیدا کر دیا ہے جو آج ہمارے دین کے اصول و مسلّمات کو بھی محلِ اعتراض ٹھہرا رہا ہے۔

عصرِ ما مارا ز ما بیگانہ کرد ۔۔۔ از جمالِ مصطفٰے بیگانہ کرد

میں اپنے اس دعویٰ کی تائید میں حضرت معاذ بن جبل کا مشہور واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انھیں یمن بھیجنا چاہا تو سوال کیا کہ اے معاذ وہاں فیصلے کیسے کرو گے؟ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ قرآن سے۔ حضور نے اس پر فرمایا۔ اگر قرآن سے نظیر نہ مل سکے تو پھر کیا کرو گے؟ تو انہوں نے جواباً عرض کیا کہ ایسی صورت میں آپ کی سنّت کو مشعلِ راہ سمجھوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ میرے عمل میں بھی نظیر نہ ملے تو پھر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی "فاجتہد برائی"۔ پھر میں اجتہاد کروں گا۔ یہ جواب سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرحبا کہا اس

واقعہ سے بالتصریح اجتہاد کی اجازت ثابت ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو
پھر اس بُت سے خُدا سمجھے۔

(اس مرحلہ پر اجلاس نمازِ عصر کے لیے ملتوی ہوا اور ساڑھے تین بجے دوبارہ شروع ہوا)

"جنابِ والا! یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ پاکستان ابھی ایک نوزائیدہ مملکت ہے
اور اس کو کشمیر، افغانستان اور آباد کاری مہاجرین جیسے مسائل درپیش ہیں علاوہ ازیں
ایٹم بم چل جانے کا خطرہ ہے۔ اس لیے یہ موقعہ پردہ بل پیش کرنے کا نہیں۔ بلکہ اس
وقت تو اخلاقی تلقین پر اکتفا کرنی چاہیئے۔ اور بعد میں کوئی نیک شگون اور وقت
دیکھ کر پردہ پر بھی غور کر لیا جائے گا۔

"جنابِ والا! دراصل خانگی غیرت اور صنفی پاکیزگی ہی وُہ بنیاد ہے جس پر قومی
غیرت کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اگر افراد کی غیرت کے خلاف جرائم کا تدارک نہ کیا
جائے۔ تو معاشرے کے خلاف اجتماعی جرائم کا تدارک ناممکن ہو جاتا ہے۔ اگر حکومت
بے پردگی کے خلاف جذبات کو تعزیر سے نافذ نہیں کرتی۔ تو پھر بے حیائی سے پیدا
ہونے والے تمام جرائم کے خلاف کسی اقدام کی وجہ جواز کمزور پڑ جاتی ہے ہماری
آئندہ نسل میں تماش بینی۔ نافرض شناسی۔ علمی ناقابلیت اور تساہل و غفلت کے جو
عارضے پھیلتے جاتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ انفرادی غیرت، حیا اور ناموس کے جذبات
سے لاپرواہی ہے۔ اندریں حالات کہا جاسکتا ہے کہ پردہ کا نفاذ کشمیر کے حصول
سے زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ کشمیر کا حصول قوم کی خاطر ہے۔ قوم کا وجود اپنی
معاشرتی اقدار کے تحفظ سے قائم ہے۔ اور جب پاکستانیوں کی معاشرتی اقدار جن میں
پردہ ایک بنیادی اہمیت رکھتا ہے خدانخواستہ مٹ گیا تو آخر پاکستان اور کشمیر
کس معاشرے کی خاطر قائم رکھنے ضروری ہوں گے۔

"جنابِ والا! ہمارے معاشرے میں یہ سارا فساد محض فرنگی کی تہذیب کو مقتدا

بنانے سے پیدا ہوا ہے۔ یورپ میں ڈارون، کارل مارکس اور فرائیڈ جیسے اقانیم ثلاثہ[1] کی پرستش ہو رہی ہے۔ اور انہیں کے ناپاک اثرات ہماری تہذیب کے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ اور ہمارے یہاں کے برسر اقتدار طبقات، اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ پردے کی ہر روز نت نئی انوکھی تعبیریں پیش کرتے ہیں۔ یہ فتنہ ملّت میں اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ مستقل طور پر ہمارے ہاں اینگلو محمڈن لواب، کمیونسٹ سرمایہ دار، شریعت فروش مولوی نما مخلوق اور کرسٹان بابو کلاس نے رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعمیر کی ہوئی تہذیب و تمدّن کی عمارت کو برباد کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور ڈر ہے کہ کہیں عالم بدہن یہ سارے آثار ہی ختم نہ کر ڈالیں۔

"جناب والا! اکبر اعظم نے جب ماتھے پر قشقہ لگایا تھا تو ملّا مبارک اور علّامہ فیضی ایسے پیدا ہو گئے تھے جو قرآن و حدیث سے ثابت کرتے تھے کہ سورج کی پرستش اور مشرکین سے رشتہ داریاں عین اسلام کے مطابق ہیں۔ آج بھی کئی ایسے نام نہاد مذہبی لیڈر "ملّا مبارک" اور "علّامہ فیضی" کی طرح ضمیر فروش بن کر محض وزیروں کو خوش کرنے کی خاطر کہتے ہیں کہ پردہ تو صاحب! سراسر اسلام کے خلاف ہے اور نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں تو میوزیکل کنسرٹ (MUSICAL CONCERTS) ہوا کرتے تھے اس وقت بھی نرسنگ سسٹرز (NURSING SISTERS) برہنہ پنڈلیوں اور بغیر نقاب کے میدانِ جنگ میں گھوما کرتی تھیں۔ اور نا معلوم لوگوں سے اختلاط تو معاذ اللہ ہر مسلمان کی روزمرّہ کی عادت تھی۔

"جناب والا! مجھے ایسے لوگوں سے نفرت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح قوت اور طاقت کے غلط استعمال کا نام فرعونیت اور مال و دولت کے غلط استعمال کا نام

---

1. Three Persons

فارُونیت ہے۔ اِسی طرح شریعت کے غلط اِستعمال کا نام یزیدیت ہے۔ آج اِس طرح فرعونیت، قارُونیت اور یزیدیت کا مرکّب نظام ہماری اِسلامی اقدار و اصُول پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے اور ہماری متاعِ قومی کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اور بدقسمتی سے چند کالی بھیڑیں حرص و ہوا کی تحریص پر اِس نظام کی غلامی کے لِئے صف بہ صف موجُود ہیں جو شریعت کی آڑ میں معاشرتِ اِسلامی کی مسخ شدہ شکل پیش کر رہی ہیں۔

"جنابِ والا! اِس ایوان میں یا ایوان کے باہر کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے مَیں یہ حتمی فیصلہ کر چکا ہُوں کہ اپنی پُوری قوت اور ہمّت کے ساتھ ایسی ہر تحریک کے سامنے نبرد آزما ہوتا رہوں گا۔ جب تک میری جان میں جان ہے اِس فرض سے عہدہ برآ ہوں گا۔ اور وُہ روز میرے لِئے روزِ بد ہوگا۔ جب میں عصرِ حاضر کی بے حیائی اور معاشرتِ اِسلامی کی تباہی کے باوجُود کچھ نہ کہہ سکوں گا۔ میرے لِئے اس وقت زندگی موت سے بدتر ہوگی۔

اِس ایوان کے اندر جب مَیں دیکھتا ہُوں کہ علماء بھی موجُود ہیں صُوفیاء بھی موجُود ہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ وُہ اِس قانون کے بنانے میں میری امداد و اعانت کریں گے۔ دلائل سے غلطیاں ثابت کریں گے اور جب ثابت ہو جائیں تو دُور بھی کر دیں گے۔ لیکن یہ رویہ کہ اُس بل کو پیش ہی نہ ہونے دیا جائے سخت عبرتناک ہے جب بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہُوئے مینا بازار لگتے ہیں۔ شاہ ایران کی آمد پر وومن نیشنل گارڈز اور گرل گائیڈز کو ملک کے کونے کونے سے جمع کر کے اس کے سامنے پریڈیں کرائی جاتی ہیں۔ بازاروں میں اور مناظرِ عام پر مسلمان خواتین جاہلیت کے بناؤ سنگار کر کے مردوں کے سامنے آتی ہیں کُھلے بندوں اپنی زینت کی نمائش کرتی پھرتی ہیں تو میرا خُون غیرتِ قومی سے کھول جاتا ہے بلکہ جس میں ذرا بھر بھی ایمان ہے اُس کا بھی یہی حال ہونا چاہیئے لیکن یہاں پر تو جیسا کہ معلوم ہوتا ہے اِس ایوان کی

کثیر التعداد پارٹی نے کل پرسوں ہی اپنے اجلاس میں باوجود بعض دیندار اراکین کی
مخالفت کے بعض بے پردہ اور مارسوخ خاندانوں کی سازش سے یہ طے کر لیا ہے
کہ جیسے ہی میں اس بل کو ایوان میں پیش کرنے کی اجازت طلب کروں گا۔ کوئی
بے پردگی اور غیرت و ناموس کے متعلق عامۃ المسلمین کے تصورات سے بیگانہ فرد اُٹھے گا
اور سارے صوبہ کو اپنے گھر کا نمونہ بنا دینے کی غرض سے میری تحریک کی مخالفت کرے گا
کیونکہ اکثر اراکین کو اس قبیل کے افراد سے دُنیاوی کام پڑتے رہتے ہیں۔ اور چونکہ
اپنے پیش رووں کی طرح چند روز ان لوگوں کو بھی خزانۂ عامرہ پر تسلط حاصل ہے۔
اس لیے اس ایوان کے وُہ نیک نہاد افراد بھی جو اپنی بہو بیٹیوں کو بُلبل چودھری
کی شاگرد نہیں بنانا چاہتے میرے بل کو ایوان کے سامنے پیش کرنے کی مخالفت کریں گے
اغراض کے بندے اس وقت اپنی اکثریت کا ناجائز استعمال کر کے ایسا کرنا چاہیں تو
کر سکتے ہیں کیونکہ سُوئے اتفاق سے دُنیاوی جاہ و منفعت کے دُوسرے تمام راستے
فی الحال اس صُوبہ میں بند ہو چکے ہیں لیکن میں ان کو تنبیہ کرنا چاہتا ہوں کہ زمانہ ان
کی اس فروگذاشت کا ان سے خوفناک انتقام لے گا۔ یہ اقتدار مستعار اور ناپائیدار
ہے۔ میں اس برسر اقتدار گروہ کے سیاسی شجرۂ نسب سے بخوبی واقف ہوں۔ میں
جانتا ہوں کہ جو ان کے منہ پر ہے وُہ ان کے دل میں نہیں۔ یہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے
کچھ ہیں۔ اس لیے

"جناب والا! آپ کے توسل سے میں اس ایوان کے اراکین سے عرض کروں گا
جہاں تک شرعی حدود و قیود کا تعلق ہے۔ ان کے سلسلہ میں صرف میں ہی
مکلف نہیں ہوں بلکہ اس ایوان کا ایک ایک فرد جو توحید اور ختم نبوت پر ایمان
رکھتا ہے۔ میری طرح وُہ بھی مکلف ہے کہ اس میں میری اعانت کرے۔ آپ کے
پاس اسلامی معاشرت کے تحفظ کا کوئی قانون موجود نہیں ہے۔ (ایک معزز ممبر۔

اور ۱۳۰۰ سال سے نہیں ہے) ۱۴۰۰ سال سے پہلے کی جو اقدار اور اسلامی صداقتیں ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی روشنی میں ہی تو یہ مسودۂ قانون پیش کرنا چاہتا ہوں مثال کے طور پر عرض کروں کہ اگر کل کوئی بے حیا مرد یا بے حیا عورت اسلام کی مقرر کردہ حدود و ستر کی پابندی نہ کرے تو آپ کے پاس کونسا قانون ہے جس کے ماتحت آپ اسے سزا دے سکیں گے (ایک آواز۔ اسے پاگل خانہ میں دے دیں گے قطع کلامیاں) یہی تو مَیں چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس اس قسم کا قانون ہونا ضروری ہے جس کے ذریعے ہم شرعی قانون کی اس قسم کی خلاف ورزی کی روک تھام کرسکیں۔ اور اس قسم کی بے حیائی کا تدارک کرسکیں۔ لیکن جب مَیں نے دیکھا کہ ہمارے پاس اس قسم کا کوئی قانون نہیں ہے تو مَیں نے یہ بل پیش کردیا۔ یہ بل آج سے تین سال قبل کی اسمبلی میں پیش ہو رہا تھا مگر ایوان میں زیرِ بحث نہ لایا جاسکا۔ کیونکہ دوسرا اسیشن ہی نہ ہوا اور اسمبلی گورنر جنرل نے برخواست کردی (آوازیں۔ اللہ رحم کرے) اللہ نے رحم کیا تھا۔ اس لئے تو وہ اسمبلی ٹوٹ گئی اور بفضلہٖ تعالیٰ اس کے توڑنے میں میری مساعی بھی شاملِ حال تھیں (آوازیں۔ جزاک اللہ) مَیں محسوس کرتا ہوں کہ اس بل کو اگر اس وقت جب کہ ہر چہار جانب سے اس ملک میں معاشرتی انتشار رونما ہوچکا ہے۔ اور الحاد اور بے دینی دن بدن بڑھ رہی ہے پیش نہ کرتا تو اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں کوتاہی کرتا۔ اس وقت مَیں نے یہ سمجھا کہ اس بل کا پیش نہ کرنا ملّی غیرت کی توہین کے مترادف ہے۔ نیز مَیں اپنی ذاتی وجاہت اور کیریکٹر کی صلابت کے باعث بھی یہ بل اس ایوان میں پیش کرنے پر مجبور تھا۔

"جناب والا! مَیں نے یہ بل اس لئے پیش کیا ہے کہ اس کے اغراض و مقاصد کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے کوئی عملی قدم اٹھایا جائے۔ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ اس بل کے ذکر سے ہی ہفتوں پہلے اخبارات میں مکروہ پروپیگنڈا شروع ہوگیا ہے

کہا جاتا ہے کہ پریس کنٹرولڈ (CONTROLLED) نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نہ صرف کنٹرولڈ ہے بلکہ اس پر ایک خاص طبقہ کی اجارہ داری ہے۔ اُس طبقہ کی اجارہ داری جو یہ کہتا ہے کہ اسلامی اخلاق اور معاشرت کی اقدار کو ایک ایک کر کے ختم کیا جائے اور اس کی بجائے کافرانہ معاشرت کے ناپاک جراثیم ملی معاشرہ میں داخل کر دیئے جائیں جو کام اسلام کے دشمنوں نے کیا وہی ہمارے اینگلو محمڈن طبقات کر رہے ہیں اور اس طرح اپنی تہذیب کا گلا اپنے ہاتھوں کاٹ رہے ہیں۔ سپین کے آخری تاجدار ابو عبداللہ کے بعد جب فرڈی نینڈ اور ملکہ ازبیلا کا اقتدار قائم ہوا۔ تو اُنہوں نے زبردستی مسلم خواتین کا پردہ ہٹوا دیا۔ اسی طرح انقلاب رُوس کے بعد رُوسی ترکستان کے مسلمانوں کا حشر ہوا۔ بخارا اور سمرقند کی صدیوں پرانی یثربی تہذیب کو جس طرح رُوسی دہریت نے ختم کیا اُسی طرح اب پاکستان کو تختہ مشق بنایا جا رہا ہے۔ جناب والا! اخبارات کے اس مجرمانہ پروپیگنڈے کا جواب دینا ضروری ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس بل سے ہماری معاشرت کا تحفظ ہوگا۔ عورت کا درجہ بلند ہوگا۔ اس کو وُہ مقامِ رفیع میسر ہوگا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیئے تجویز کیا ہے لیکن اِدھر حال یہ ہے کہ عورت کو زبردستی رونقِ محفل بنایا جا رہا ہے۔ فرنگی تہذیب کے دلدادہ ساری قوم کو آوارہ بنا دینا چاہتے ہیں۔ قوم میں بے غیرتی اور دُون ہمتی کی وبا پھیل رہی ہے۔ افسوس ان بے پردہ بیگمات کے شوہروں کو اپنے قومی کاروبار سونپ دینے کا آج ہم یہ بھیانک خمیازہ بھگت رہے ہیں کہ محمود غزنوی اور محمد بن قاسم کی قوم کی پچاس ہزار بچیاں آج کفار کے ہاتھوں کنیزیں اور لونڈیاں بن چکی ہیں۔ لیکن چار سال سے ہمارے ہاں کوئی محمد غوری پیدا نہیں ہوا جو اپنے عیش و عشرت کے سامان کچھ تو کم کر دیتا۔ اگر آج اس ایوان کے اراکین نے ذاتی منفعت اور اباحیت کے وکیلوں کی خوشنودی کی خاطر پردہ بل کو

اس ایوان کے سامنے پیش کرنے کی بھی مخالفت کی۔ تو میں انہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ پندرہ بیس سال کے بعد خود ان کی بیٹیاں اور بہوئیں بھی انہیں محفلوں میں پہنچ چکی ہوں گی جہاں آج قوم کی کچھ بیٹیوں کو دیکھ کر میرا دل خون خون ہوتا ہے میری پیشانی عرقِ ندامت سے تر بتر ہے۔ میرا سینہ خوفناک طوفانِ غیرت سے کھول رہا ہے لیکن چند بے حس اور ناموس سے عاری افراد کی سازشیں میری آواز کو طاقت کے نشہ اور روپیہ کی جھنکار اور اقتدار کے خوف سے دبا دینے میں کامیاب ہوتی نظر آتی ہیں۔

"جنابِ والا! ہم گنہگار سہی، لیکن سب مسلمان ہونے کے دعوے دار ہیں۔ اب میں آپ کے سامنے قرآن و حدیث کے احکام ذکر کروں گا کہ ان کی تعبیر اور تاویل میں آپ مجھ سے اختلافِ رائے کے مجاز ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کا صریح انکار کر کے آپ مسلمان نہیں رہ سکتے۔ اور یاد رکھئے کہ ہم نے مسلمان بننے میں کوتاہی کی تو ہم زیادہ دیر پاکستانی بھی نہیں رہ سکتے۔ اب میں آپ کے سامنے سورۂ نور کی اکتیسویں آیت پڑھتا ہوں:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ۪ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ۪ وَ لَا

يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ
جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ: اَے رسول ایمان والے مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے ستر محفوظ رکھیں۔ اور ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں (مردوں پر پڑنے سے) روکیں، اپنے ستر محفوظ رکھیں، اپنا حسن ظاہر نہ ہونے دیں۔ سوائے اس کے جو کھلا رہ جائے۔ انہیں چاہیئے کہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں سے بُکّل مار لیا کریں۔ اپنا حسن ظاہر نہ ہونے دیں سوائے اپنے شوہر کے سامنے یا اپنے باپ کے سامنے یا اپنے بیٹوں کے سامنے یا اپنے شوہر کے بیٹوں کے سامنے یا اپنے بھائی بھتیجوں اور بھانجوں کے سامنے یا اپنے گھر کی عورتوں کے سامنے، یا اپنے لونڈی غلاموں کے سامنے یا ایسے مرد ماتحتوں کے سامنے کہ جن سے ان کو خواہش کا امکان نہیں۔ یا ایسے کم عمر ماتحتوں کے سامنے جو عورتوں کی خفیہ باتوں سے واقف نہیں ہو چکے۔ وہ اس طرح پاؤں مار کر نہ چلیں جس سے اُن کا مخفی حسن ظاہر ہو جائے۔

قرآن میں مرد اور عورت دونوں کے لیے نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم ہے اس آیت کو آیتِ حجاب قرار دینے میں تو کوئی اختلاف رائے نہیں۔ البتہ دو الفاظ ایسے ہیں۔ جن کا ترجمہ کرنے میں پردے کے مخالف بعض اوقات اختلاف رائے کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ اوّل "زینت"، دوسرے "الا ما ظہر"۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ زینت سے مراد چہرہ اور ہاتھ پاؤں نہیں بلکہ زیور، آرائش و سنگار کا سامان اور باقی اعضائے جسم مراد ہیں۔ چونکہ پہلی خواندگی کے موقعہ پر مجھے تفصیلات کی بحث میں نہیں جانا بلکہ اصولی معروضات تک اپنی گفتگو کو محدود رکھنا ہے اس لیے میں احادیث کے حوالہ جات، مفسرین کے اقوال یا لغت کا تذکرہ یہاں نہیں کروں گا۔

پردے کے مخالف "زینت" کی اصطلاحِ قرآنی کا جو مطلب بیان کرتے ہیں خود اقتضائے عبارت اس کے مخالف ہے۔ میں اس وقت صرف اس کا ذکر کروں گا۔ قرآن مجید کی اس عبارت میں صاف طور پہ کہا گیا ہے کہ اپنی "زینت" سوائے فلاں فلاں محرموں کے اور کسی کے سامنے ظاہر نہ کرو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہاتھ، پاؤں اور منہ ایسی زینت نہیں جو "نامحرموں" سے چھپانے کی ضرورت ہو تو پھر ہاتھ، پاؤں اور منہ کے علاوہ وہ کونسے اعضائے جسمانی ہیں جنہیں باپ، بھائی اور بیٹے اور دیگر محرموں کے سامنے ظاہر کرنے کی کھلی اجازت دی گئی ہے۔

جہاں تک "الا ما ظہر" کا تعلق ہے۔ اس کا ترجمہ پردے کے مخالف یہ کرتے ہیں کہ "جو کھلا رکھ لیا جائے" برعکس اس کے پردے کے حامی اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ چھپانے کی کوشش کے باوجود جو "مجبوراً" اور "اضطراراً" کھلا رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر پردے کے مخالفین کا ترجمہ تسلیم کر لیا جائے تو اس سے قرآنی حکم بالکل لایعنی ہو کر رہ جاتا ہے اور ہر فرد کی صوابدید کے مطابق ایک ایسی اجازت کا دروازہ کھل جاتا ہے جو شاید سارا لباس اتار کر بھی ختم نہ ہو۔ اندریں حالات "اِلا ما ظہر" کی معقول تعبیر یہی ہے کہ "جتنا کھلا رہ جانے کا چارہ نہ ہو" اب یہ چارہ ہر ایک کی حیثیت، استطاعت اور موقع پر مبنی ہے۔ ذی حیثیت بند گاڑیوں میں جائیں گے۔ غریب برقعہ اوڑھ کر سڑک پر چلنے کے لئے مجبور ہے اور مزدور شاید صرف چادر لپیٹ کر کام کرے۔

اس کے بعد سورۃ احزاب کی ۵۹ آیت تو مسئلہ کو بالکل واضح کر دیتی ہے یعنی "یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ" اپنے اوپر اپنی چادریں لپیٹ کر رکھیں۔ میرے مفہوم کی مزید وضاحت کر دیتی ہے۔

"جناب والا! اس کے بعد سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۵۳ تو بالکل صاف اور واضح ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ مسلمان جب امہات المومنین سے کوئی چیز مانگنا

چاہیں یا کچھ پوچھیں تو "من وراء حجاب" یعنی پردہ کی اوٹ میں بات کریں۔ یاد رہے کہ ان ازواجِ مطہرات اور امہات المومنین کی شان میں یہ حکم ہے۔ جن کے متعلق اسی آیت میں آگے جا کر یہ حکم بھی درج ہے "ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا" یعنی رسول کی وفات کے بعد ان کی بیویوں سے کوئی مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے نکاح سے منع کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو مسلمانوں کی مائیں کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب نکاح کے لیئے حرام ہونے والی خواتین کے لیئے یہ حکم ہے تو جہاں نکاح کی ممانعت نہ ہو وہاں اس کی پابندی کس شدت کے ساتھ ہونی چاہیئے۔

"جناب والا" میں اس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں سمجھتا مسلمان عورت کو حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا کو اپنے لیئے اسوۂ کاملہ سمجھنا چاہیئے۔ لیکن کیا کیا جائے اس وقت ان پاک بیبیوں کی اتباع کی بجائے یورپ کی بے حیائی واجب التقلید سمجھی جاتی ہے۔ اور اس گمراہی کی ابتدا صاحب اقتدار طبقہ کی جانب سے ہوئی ہے۔ یہ طبقہ ساری قوم کو بے پردگی کے جہنم میں پھینکنا چاہتا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ قوم کی بدبختی ہے یا چرخِ سفلہ پرور کی ستم ظریفی کہ عصرِ حاضر کی مہذب بیبیاں محض اس لیئے کہ کسی رکن سلطنت کے حبالۂ عقد میں آچکی ہیں۔ تو جہاں وہ بزعمِ خویش امیر المومنین بننے کا دعوے دار ہے یہ از خود (IPSO FACTO) ______ امہات المومنین بننا چاہتی ہیں۔ یہی وہ خوفناک صورتِ حال ہے جس کے پیش نظر میں ابھی سے معاشرے کا رخ بدلنا چاہتا ہوں۔ اور یہ بل پیش کر رہا ہوں۔ جب تک وہ دن نہ آجائے گا جب کہ اسلامی معاشرت کی صحیح اقدار عملاً قوم کے تمام افراد تسلیم کر لیں اور مسلمان عورت کی عزت و توقیر کی بقا کے لیئے شاہراہ متعین کر لیں۔ میں مسلسل جدوجہد کرتا رہوں گا۔

مسئلہ کشمیر

تقریر، مؤرخہ ۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء

(اسمبلی کی سرکاری رپورٹ، جلد دوم — جزو ۱۴)

"جنابِ والا!

میں نے اس قرارداد کو بغور پڑھا اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ قرارداد تین اجزا سے مرکب ہے۔ اوّل یہ کہ یہ ایوان حکومتِ پنجاب کی معرفت حکومتِ پاکستان کو آگاہ کرے کہ پنجاب کا مسلمان قضیۂ کشمیر کے منصفانہ حل کو نہ پا کر بے حد مضطرب اور بے چین ہے" دوسرے یہ کہ "مرکزی حکومت اس نازک صورتِ حال پر غور کرے کہ اگر کشمیر کا منصفانہ حل نہ ہوا تو امنِ عالم کو خطرہ درپیش ہے اور تیسری عالم گیر جنگ ناگزیر ہے" اور تیسرے یہ کہ "پنجاب کا مسلمان کشمیر کی خاطر بشرطِ ضرورت بصد شوق اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے تیار ہے۔" گویا یہ قرارداد آگاہی، غور اور پیش کش سے مرکب ہے۔

جنابِ والا! اس انداز سے جب ہم اس قرارداد کو دیکھتے ہیں تو تجزیہ یوں ہے "کہ گویا فی الحال مرکزی حکومت پر غفلت اور لاعلمی کا دَور طاری ہے۔" میں حیران ہوں کہ اب بھی یہی کہا جا رہا ہے ———— کہ حکومت کو آگاہ کیا جائے کہ پنجاب کا مسلمان اس مسئلہ سے بے حد مضطرب ہے، بے چین ہے اور بے قرار ہے۔ اور اس کو حل کر کے جلد از جلد اپنی آرزوؤں کی تسکین چاہتا ہے آگاہی کی یہ مضحکہ خیز تجویز بھی خوب ہے۔ دوسرے یہ کہ مرکزی حکومت صورتِ حالات پر غور کرے۔ گویا کہ اس نے آج تک اس مسئلہ پر غور ہی نہیں کیا۔ اور گذشتہ تین سال سے بغیر سوچے سمجھے تاخیر ہوتی رہی اور تیسرے بشرطِ ضرورت بصد شوق امداد کی پیش کش کا IDEA بھی اپنی ندرت میں لاجواب ہے کشمیر میں آگ و خون کی بارش ہو چکی مسلمان کی عزت و آبرو خاک میں مل گئی۔ اور ابھی تک اس قرارداد کے مرتب

کرنے والے میرے اِن "نزاکت مآب" "حسّاس دِل" "شیروں" کے لئے ضرورت کی شرط پُوری نہیں ہوتی۔ کیا کہنے اِس غیرت اور ہمدردی کے۔ یہ بروقت احساس بھی خوب ہے اور پیش کش بھی خوب ہے۔

"جناب والا! اِن حالات میں جب کہ مسئلہ کشمیر نزع کی حد تک پہنچ چکا ہے اور اُمّتِ مُسلمہ کی غیرت و حمیّت کی اس کے ساتھ بازی لگ چکی ہے۔ زندہ دلانِ پنجاب کے "حزم و احتیاط کے پیکر" اور "تدبّر و دُور اندیشی کے شہکار نمائندے" ضرورت ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اور وفاداری کا دم بھر رہے ہیں۔ وفاداری کی نوعیّت بھی کیا ستم ظریفانہ ہے۔ گویا کسی مظلوم مقتول کے تڑپتے ہوئے لاشے سے یہ اظہار ہمدردی کہ "اے اگلے جہان کے جانے والے! اگر تیری جان کو کوئی خطرہ درپیش ہے۔ اور تو محسوس کرے کہ میں تیرے کسی کام آسکتا ہُوں۔ تو میں جو تیرے قتل کا کھڑا تماشہ دیکھ رہا ہُوں مجھے اپنی امداد کے لئے ضرور آواز دے لینا" یہ تو وہی بات ہُوئی۔ ع

ہائے اُس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

جناب والا! اصل مسئلہ نہ آگاہی ہے نہ غور اور نہ پیشکش۔ بلکہ اصل مسئلہ اب یہ ہے کہ آگاہی، غور اور پیش کش کو ضرورت سے زیادہ طوالت دینے کے بعد کوئی وقت ایسا بھی آنا چاہیئے۔ جب ان "مصروفیتوں" سے توجہ ہٹا کر عمل کا راستہ اختیار کیا جاتے۔

مَیں واضح کرنا چاہتا ہُوں کہ آگاہی، غور اور پیش کش کا وقت گذر چکا۔ اب عمل کی گھڑی ہے۔ بلکہ ایسی قرار دادیں پاس کرنا بھی وقت ضائع کرنا ہے اگر ہم ہیں

ع پُورا شعر یُوں ہے۔ کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

حمیّت، غیرتِ ایمانی اور اپنے مظلوم بھائیوں کے قصاص کا جذبہ باقی ہے۔ تو اسی وقت عملی اقدام شروع ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بعد اور کونسا وقت عمل کا آئے گا۔

سے

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے

پیش کر غافل! عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

جنابِ والا! اصل قباحت یہ ہے کہ گذشتہ تین سو سال مسندِ حکومت سے علیحدگی نے قوم کے بالائی طبقوں کو محض بالائی خور اور کام چور بنا دیا ہے۔ اور وُہ یہ بھول گئے ہیں کہ تخت کی حفاظت ہمیشہ تلوار سے ہوتی ہے۔ "ہر کہ شمشیر زند سکّہ بنامش خوانند" ہی دستورِ جوانمردی رہا ہے مگر ہم نے اس فن کو یکسر بھلا دیا ہے۔ چنانچہ تقسیم سے قبل ہم باجوں گاجوں کے شور و غوغا میں حقِ خود ارادیت کی قرار دادیں منظور کرتے رہے۔ اور جنرل سٹاف کے ریزولیوشن پر کسی نے توجہ نہ دی۔ اور اب تقسیمِ ملک کے بعد ایک کروڑ فرزندانِ و دُخترانِ توحید کو جلا وطن کروانے، بیس لاکھ کو شہید کروانے، ۷۰ ہزار کو کفار کی کنیزیں بنوانے اور ۴/۱ کروڑ کو بطور یرغمال دُشمن کے سپرد کرنے، حیدر آباد، بھوپال اور جونا گڑھ جیسی کئی سلطنتیں پیچھے چھوڑ آنے اور اربہا ارب کی جائداد دُشمن کو بطور مالِ غنیمت عطا کرنے کے بعد بھی ابھی تک ہمیں آگاہی نہیں ہوئی۔ اور ہم نے غور نہیں کیا کہ کشمیر میں کسی وقت جنگ چھڑی تھی جنگ۔ اور ہم میدانِ جنگ صلح و ثالثی کے گھوڑے پر چڑھ کر عبور کرنا چاہتے ہیں اور حیران ہیں کہ ہمارا یہ اسپِ تیز پا اس وادیٔ پُرخار میں کیوں لنگ ہوا جاتا ہے۔

۱؎ مولانا نیازی نے سنہ ۱۹۴۵ء میں صوبہ مسلم لیگ کونسل پنجاب اور سنہ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سنہ ۱۹۴۸ء کنونشن کے اجلاس منعقدہ "عربک کالج ہال" میں آل پاکستان جنرل سٹاف کے قیام کے لیئے قرار دادیں پیش کی تھی۔ (ساقی)

"جناب والا! کشمیر کا مسئلہ چار سال سے معلّق پڑا ہے۔ دُشمن ہماری سرحدات پر اپنی افواج جمع کر کے ہماری غیرت کو چیلنج کر چکا ہے۔ بلکہ ذِلّت اور بے غیرتی میں سونے والوں کے دروازوں پر دستک دے کر دعوتِ مبارزت دے چکا ہے۔ اور ہم ہیں کہ ابھی تک "بوقتِ ضرورت" کی مشروط پیش کش کر رہے ہیں۔ حیف ہے ایسی زندگی پر اور پیشکش کے بھی کیا کہنے۔ گویا کشمیر کی جنگ ہماری اپنی جنگ نہیں ہے۔ چاہیئے تو یہ کہ ہم اس پیش کش کے بجائے مرکزی حکومت سے اِذنِ جہاد کی حجّت تمام کر کے خود بڑھ کر دُشمن سے دو دو ہاتھ کریں۔

"جناب والا! آج قاری[1] صاحب کو کس نے بتا دیا کہ قرار دادِ کشمیر پیش ہونے والی ہے جس جلال و بے ساختگی کے ساتھ اس اللہ کے بندے نے تلاوتِ قرآن کی اس کا کیف پر ور اثر کانوں کے ذریعے دل میں اُتر چکا ہے۔ اور اس اثر نے خون کے ایک ایک قطرہ میں آتشِ اِنتقام بھڑکا دی ہے۔ جب اُنہوں نے یہ پڑھا:۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝

(ترجمہ) "کیا ہو گیا تمہیں، تم کیوں اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیئے نہیں نکلتے حالانکہ ادھر حال یہ ہے کہ مظلوم مرد، عورتیں اور بچے پکار پکار کر کہتے ہیں کہ اُے اللہ ہمیں ظالموں کے اِس شہر سے نکال۔ اپنی جانب سے ہمارے لیئے حمایت

---

[1] پنجاب اسمبلی کے روزانہ کارروائی شروع ہونے سے پہلے قاری صدیقی صاحب قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ (ساقی)

کا اور اپنی جانب سے ہمارے لئے نصرت کا سامان کر" تو مَیں نے یہ خیال کیا کہ اُدھر خدا کا فرمان دیکھو اور اُس کی تعمیل میں اِس ذلیل قرارداد کا مطالعہ بھی کر دو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قرارداد مسلمان کے جذبۂ جہاد کی توہین ہے۔ ہم قرآن پر عمل کا وعظ کرتے نہیں تھکتے۔ ہمارا ہر رہنما سٹیج پر آکر کتاب و سنّت پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور اِدھر قول و فعل کا تضاد اِس قرارداد کی صورت میں دیکھ لو۔ فطرت نے قاری کی رہنمائی کرتے ہوئے کہا کہ اِن "دل کے اندھوں" اور "غیرت و حمیّت کے جذبات سے عاری" قوم کے لیڈروں سے کہہ دو کہ یہ ذلیل قرارداد پیش کر کے تم خدا کے نزدیک مجرم بن چکے ہو۔ اِس جرم کا کفّارہ یہ ہے کہ تم عمل کے میدان میں آؤ اور خون کی قربانی دو۔

جناب والا! کتابِ الٰہی کا انداز کس قدر پیارا ہے۔ کیسے مومن کا مقصودِ حیات اور پھر حق و باطل کی آویزش میں باطل کی شکست کا سارا راز کھول کر رکھ دیا ہے۔ قاری نے آگے یہ پڑھا کہ "مومن (یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ) اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں" اور "کفار (یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ) شیطان کی بتائی ہوئی گمراہی کی خاطر لڑتے ہیں"۔ اِن دونوں لڑنے والوں کی بابت یہ حتمی فیصلہ بھی سنا دیا (اِنَّ کَیْدَ الْکَافِرِیْنَ کَانَ ضَعِیْفًا) کہ "کفّار کی حق کو مٹانے کی یہ تدبیر کیسی بودی ہے"۔ خُدا کی جانب سے اِس قدر اطمینان انگیز اور شفقت آمیز پیغام کے بعد بھی ہم تذبذب میں رہیں تو ہمارے ایمان میں خلل ہے۔

میں ایوان سے کہوں گا کہ مرکزی حکومت نے انجمن اقوام کی سیکورٹی کونسل میں مقدمہ کشمیر کی پیروی کی ہوئی ہے۔ اس کی اِس سلسلہ میں کوئی مصلحت ہوگی لیکن چار سال کے مسلسل تجربے نے بتا دیا ہے کہ ہم کسی ایک عجیب فریب میں مبتلا ہیں۔ اور قوم کو مزید انتظار میں رکھنے کی پالیسی خطرناک ہے اندریں

حالات چاہیئے تو یہ تھا کہ اِس ایوان میں ہم یہ پاس کرتے کہ ہم نہ تو مرکز سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی یُو۔این۔او کی حفاظتی کونسل کے فیصلے کا اِنتظار کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ خدا کی اِس واضح تاکید "بر سر کف" میدان میں نکلنا چاہتے ہیں اِس ایوان میں اپنی بابت تو یہ عرض کروں گا کہ مَیں مرکز کی پالیسی سے بیزار ہوں۔ اور یو۔این۔او کو اِسلام کے دُشمنوں کی انجمن سمجھتا ہوں۔ سچی بات کہوں گا۔ اور بے باکانہ کہوں گا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

چاہیئے تو یہ تھا کہ آج اِس ایوان میں یہ بحث کی جاتی۔ کہ مسلسل ۸ سال اِس مسئلہ کو کیوں لٹکایا گیا ہے۔ مرکز نے اپنی ذمہ داریوں سے کیوں مجرمانہ غفلت برتی ہے ہمیں انجمن اقوام نے شرمناک دھوکا دیا ہے اِس لیئے ہم مزید صبر و اِنتظار کی زحمت گوارا کرنے کے لیئے تیار نہیں ہیں ہم مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وُہ دولتِ مشترکہ سے رِشتہ توڑ دے۔ کیونکہ یہ سارا فساد انگریز کا پیدا کردہ ہے۔ ریڈکلف ایوارڈ نے ہی یہ ساری شرارت پیدا کی تھی دُوسرے یہ کہ مرکزی حکومت یو۔این۔او پر بھروسہ چھوڑ دے۔ پاکستان "تسخیرِ کشمیر بنوکِ شمشیر" کی پالیسی اِختیار کر کے نہرو سے دو ٹوک فیصلہ کر لے۔

"جنابِ والا! اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہماری قومی زندگی سراسر انگریز کی عدالتوں میں وکالتوں سے مباحثے کرنے والوں، دفتروں میں کاغذی گھوڑوں پر بیٹھ کر قلم کی تلوار چلانے والوں، سیاہی کی پچکاریوں سے خون کی گلکاریوں کی انگیخت کی توقع رکھنے والوں اور عزمِ قرار داد سے عرصہ رزم کی اُمیدیں وابستہ کرنے والوں کے تسلط میں آچکی ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ریڈیو پر تقریریں کر کے

اور اخباروں میں جلی سرخیاں جما کر کشمیر فتح ہو جائے۔ اور جب کشمیر یوں فتح نہیں ہوتا تو انہیں بڑا اچنبھا ہوتا ہے کہ کشمیر کیوں فتح نہیں ہوتا" حالانکہ ہم نے امریکہ میں جا کر امن کے وہ وہ غبارے اُڑائے ہیں۔ اور مجلس اقوام میں اپنے صلح پسند ہونے کے وہ چلے کھینچے ہیں کہ اب تو "نہرو انی محبوب" کو ہمارے قدموں میں سر رکھ دینا چاہیئے تھا لیکن اس برہمن زادے کا کیا کافر دل ہے کہ پسیجنے میں ہی نہیں آتا۔ حالانکہ ہم درجنوں خطوط اور بیسیوں قرار دادیں منظور کر چکے ہیں"۔

"جناب والا! اب طاؤس و رباب کا وقت نہیں شمشیر و سناں کی طرف متوجہ ہونے کا وقت ہے۔ ہمارے ریڈیو کو نغمے براڈ کاسٹ کرنے کی بجائے اب رجز نشر کرنے چاہئیں۔ اس وقت ہمارے انقلابی عوام کو ضرورت ہے محمد بن قاسم کی قیادت کی۔ محمد شاہ رنگیلوں کی قیادت کی ضرورت نہیں ہے۔ اب احمد شاہ ابدالی کے نقش قدم پر چل کر پانی پت کی چوتھی لڑائی جیتی جائے گی۔ واجد علی شاہوں کی قیادت ختم کرنے کا وقت آ پہنچا ہے۔

"جناب والا! اگر یہ کہا جائے کہ ہم دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں سامانِ جنگ کی قلت ہے حریف کی تیاری زیادہ ہے تو اس کے لیئے تو زیادہ مستعدی کی ضرورت پیدا ہونی چاہیئے۔ اور دشمن کو مزید تیاری کا وقفہ دیئے بغیر ہلہ بول دینا چاہیئے۔ نہ یہ کہ ہم گھر میں ہی اربعہ متناسبہ لگا کر اپنے ارادوں میں خلل ڈالتے رہیں ہمیں تو ابتدا سے یہی تعلیم ملی ہے۔ کہ "فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" جب تو عزم بالجزم کرے تو اللہ پر توکل کر کے اقدام کر۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ غزوہ احد میں دشمنوں کی تعداد، ساز و سامان اور تیاری مسلمانوں سے زیادہ تھی۔ مسلمان تعداد اور ساز و سامان میں ان سے بہت کم تھے مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں قلعہ بند ہو کر

لڑا جائے لیکن شوریٰ میں فیصلہ ہوا کہ باہر نکل کر لڑا جائے۔ اس فیصلہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔ مسلح ہو کر جب باہر نکلے تو اکثر صحابہ کو خیال آیا کہ شاید ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رائے کے خلاف باہر نکل کر لڑنے پر مجبور کیا ہے۔ اس لیئے سب نے کہا کہ حضور جیسے آپ نے پہلے ارشاد فرمایا تھا اب قلعہ بند ہو کر لڑا جائے۔ حضور نے فرمایا تھا "کہ نبی زرہ پہن کر نہیں اتارا کرتا"۔ اس واقعہ سے مقصود یہ ہے کہ جب ہم ایک دفعہ کسی بات کا عزم کر چکیں۔ تو ہمیں پیچھے نہیں ہٹنا چاہیئے۔

"جناب والا ہم بھی اب مُکا دکھا کر دشمن کو للکار چکے ہیں۔ اس کی افواج کے اجتماع کے چیلنج کو قبول کر چکے ہیں۔ اس قدر آگے جا کر اب پھر ثالثوں پر اعتماد کرنا اور قوتِ بازو سے فیصلہ نہ کرنا ہماری روایات کے خلاف ہے۔ ہمارا قدم اب آگے کو بڑھنا چاہیئے پیچھے نہ ہٹنا چاہیئے۔ میں یہ کیوں کہتا ہوں۔ اس لیئے کہ گذشتہ سات سال سے مسلسل قوم کو جنگ کی تیاری کی للکار دے کر حجت تمام کر چکا ہوں۔ گذشتہ واقعات کے تجربات نے میری ایک ایک تجویز کی اہمیت کو ثابت کر دیا ہے میں اس ایوان میں اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے آج سے کئی سال قبل یہ فہم عطا فرمایا تھا کہ میں آنے والے واقعات کی نزاکت سے قوم کو آگاہ کروں۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں صوبہ لیگ کونسل (پنجاب) میں جنگی تیاری کے لیئے میں نے ایک قرارداد پیش کی سنہ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کنونشن منعقدہ ۶ اپریل کو کونسل کے اجلاس میں "پاکستان جنرل سٹاف" کی ایک جامع تجویز پیش کی۔ اس قرارداد میں دشمنوں کے خوفناک اور ناپاک ارادوں سے قوم کو خبردار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ پاکستان لاؤڈ سپیکروں کے سامنے گلے پھاڑنے یا اخبارات میں سیاہی اچھالنے سے نہیں بنے گا۔ اس کے حصول کے لیئے ایک مضبوط عسکری

تنظیم اور کامل جنگی تربیت کی ضرورت ہے جس کی منصوبہ بندی آج سے ہی ہو جانی چاہیئے۔ اس کے بعد جون ۱۹۴۷ء اور جولائی ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام سے قبل اخبارات میں اپنا دل چیر کر رکھ دیا تھا اور مسلسل مضامین کے ذریعے قوم کو جنگی تیاری کے لئے آمادہ کیا۔ میں اس وقت جناب والا کی اجازت سے ایک ضروری اقتباس پڑھ کر سناتا ہوں۔ یہ ۲۴ جولائی ۱۹۴۷ء کے اخبار "احسان" سے ہے۔

"مسلمان عوام میں بے پناہ فوجی جوش ہے۔ ہمارا ہر بچہ پیدائشی فوجی ہے ہماری عورتیں اپنے بچوں کو سہاگ کے بستر پر سلانے کی بنسبت قیامت کے روز شہداء کی صفوں میں اُٹھتا دیکھنے کی زیادہ آرزومند ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پاکستان آزاد ہوتے ہی امریکہ اور روس سے زیادہ زبردست فوجی طاقت نہ بن جائے۔ کسر صرف اتنی ہے کہ ہمارے انقلابی عوام کی لیڈر شپ رجعت پسند نوابوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ موجودہ زمانے کے واجد علی شاہ کبھی بھی احمد شاہ ابدالی نہیں بن سکتے۔ ہمیں محمد بن قاسم کی ضرورت ہے، محمد شاہ رنگیلے کی نہیں ہے۔ ہم ان کی عشرت کدہ کوٹھیوں کی جگہ سنگین قلعے، اسلحہ خانے اور سامان حرب کی فیکٹریاں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم ان کی گدیلوں والی موٹروں کی جگہ آہنی بکتر بند ٹرک ہوائی جہاز اور سمندری جہاز دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم پاکستان کے لئے فوج بنانا چاہتے ہیں تو خود اپنے عوام کے اندر سے ایک فوجی لیڈر شپ پیدا کریں .... وغیرہ وغیرہ۔"

"جناب والا! جب پاکستان بنا اور مہاجرین ایک سیلاب کی طرح اُمڈ کر آئے تو اس وقت پھر میں نے قوم کے سامنے فوجی تیاری کی سکیم پیش کی اور کہا کہ "خون کے داغ قلم سے نہیں فولاد سے کھرچے جاتے ہیں" محلہ وار جنگی کمیٹیوں کی تجویز

ایک پمفلٹ لکھ کر پیش کی لیکن نا اہل اور بے تدبیر وزارت نے یہ پمفلٹ ہی ضبط کر لیا اور یوں فوجی تیاری کی آواز کو دبا دیا۔ کشمیر کو فتح کرنے کے لیے مستقل تجاویز "خلافتِ پاکستان" کے ہفتہ وار اخبار میں شائع ہوئیں۔ اور خارجہ سیاست میں قوم کو ہر وقت انتباہ کرتے ہوئے میں نے یہ بیان دیا کہ "لاہور ہرات روڈ کھول دو" لیکن میری کچھ پیش نہ گئی۔ بالآخر "کشمیر کیوں فتح نہیں ہوا" کے عنوان سے اخبارات میں بالتفصیل اپنی تجاویز پیش کیں۔ سرِ دست میں جناب والا کی اجازت سے ۱۶-۱۲-۱۹۴۹ کے "احسان" سے ایک ضروری اقتباس پیش کرتا ہوں :-

"کشمیر کا مسئلہ انجمن اقوام کبھی حل نہ کرے گی۔ وہ اسے چین، انڈونیشیا اور فلسطین کے مسائل کی طرح صرف مغربی اقوام کے جھگڑوں کی بازیچہ گاہ بنائے گی۔ پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ (ا) وہ داخلی طور پر نفیرِ عام اور جبری لام بندی سے اپنی تنظیم محکم کر لے۔ (ب) بین الاقوامی چال ایسی چلے کہ دنیا کے زبردست ممالک کی امداد حاصل کر لے۔ (ج) کم از کم افغانستان ہی کو اپنے ساتھ متفق کر لے۔ اگر ایسا ہو گیا تو لاہور سے لے کر ہرات تک جنگی سڑک آمد و رفت کے لیے کھل جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ اینگلو امریکن بلاک ہماری خوشامد کر کے ہمیں مطلوبہ ہتھیار اور امداد دے گا۔ وگرنہ روس ہمیں ہاتھوں ہاتھ لے گا۔ کیا وجہ ہے کہ ترکی اور یونان کو تو اینگلو امریکن بلاک سامان بھیج رہا ہے اور ہم زنجیرِ در کھٹکھٹا رہے ہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ان ممالک کی سرحدیں روس سے ملتی ہیں۔ ہماری بابت دانایانِ فرنگ جانتے ہیں کہ پاکستان تو گھڑے کی مچھلی ہے[1]۔ اس کی کیا فکر ہے۔ بڑے بڑے دولت مند ملک جب جنگ کی تیاری کرتے ہیں۔ تو

1. It is taken for granted.

امیروں کو فقیروں کی عادتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم کشمیر کی فتح کی تیاری بھی کر لیں اور قوم سے غداری کر کے انگریز کی مدد سے امیر بن جانے والوں کی کوٹھیاں اور کاریں اور دیگر فضول خرچیاں بھی غیر اسلامی قارونیت کے مظاہرے کرتی پھریں۔

"جناب والا! جہاں تک میں نے مسئلہ کشمیر پر غور کیا ہے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ مسئلہ ہماری دوغلی سیاست سے ہرگز حل نہ ہوگا۔ اس کا حل صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ہم امریکہ و انگلستان کے دھڑے اور روسی دھڑے کا مقابلہ اپنی آزاد خارجہ پالیسی کے بل بوتے پر کرتے ہوئے ممالکِ اسلامیہ کا بلاک قائم کریں اور "اشتراکی کافروں" اور "جمہوری کافروں" دونوں کو بیم و رجا میں رکھیں۔ ان میں سے کوئی بھی یہ نہ سمجھ سکے کہ پاکستان گھڑے کی مچھلی ہے (It is taken for granted) جب ہم حقیقی معنوں میں "اسلامک بلاک" کے قیام کے لیے کمر ہمت باندھ لیں گے۔ اس وقت ان ہر دو بلاکوں کا دماغ درست ہو جائے گا۔ کشمیر آج تک فتح کیوں نہیں ہوا۔ اس لیے کہ ہم نے آج تک اسے بزورِ شمشیر فتح کرنے کا فیصلہ نہیں کیا۔ اگر آج ہم اسے بزورِ شمشیر فتح کرنے کا فیصلہ کر لیں۔ اور حقیقی معنوں میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے میدان میں نکل آئیں تو دنیا کی کوئی طاقت کشمیر کو ہم سے نہیں لے سکتی۔

جناب والا! جنوری ۱۹۴۹ء میں جب "متارکہ کشمیر[1]" کا معاہدہ ہوا تو اس وقت بھی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ متارکہ کشمیر کو دوسرا فلسطین بنانے کی سازش ہے۔ اور جب متارکہ کے معاہدہ پر چاروں جانب سے "قبول و مرحبا کے ڈونگرے" برسائے جا رہے تھے میں نے اس وقت یہ بیان دیا تھا کہ "افسوس ہے کہ میں

---

1. "Cease Fire Agreement" (ناشر) جنگ بندی کا معاہدہ

خوشی اور اطمینان کی اس عام لہر کا ساتھ دینے سے معذور ہوں۔ مجھے انڈونیشیا اور فلسطین میں معاہدوں کا انجام بے چین کر رہا ہے۔ میں انجمن اقوام کو بدترین دغابازوں، مکاروں اور اسلام دشمنوں کی انجمن سمجھتا ہوں۔ اس ابلہ فریب انجمن کی ہر کارروائی ہمیشہ نقصانِ اسلام پر منتج ہوتی ہے۔ پھر مثلاً کہ اس زمانہ میں ہوتا ہے جب کہ مسلمان غازیوں کی فوجیں دشمنوں کو دباتی چلی جا رہی تھیں یورپ کے ان امن کے پرستار عیّار فرشتوں کو اس وقت صلح یاد نہ آئی جب کہ معصوم بچوں کو نیزوں پر اچھالا جا رہا تھا۔ جب مسلمان مستورات کی بے حرمتی ہو رہی تھی۔ بہرحال جس بدنیتی سے مثلاً کہ کشمیر کا معاملہ ہوا اُسی بددیانتی کے ساتھ آج تک اس مسئلے کو طوالت والتوا کے چکر میں ڈالا جا رہا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ سکیورٹی کونسل ہمیں ہر بار غچہ دے رہی ہے لیکن ہم ہیں کہ موذی سے بار بار ڈنگ کھا کر بھی ایذا کی بجائے وفا کی توقعات وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ مومن کے اوصاف تو یہ تھے کہ وہ ایک سوراخ سے دوبارہ ڈنگ نہیں کھاتا۔[1] ایں حالات جنابِ والا! میری قطعی رائے ہے کہ ہم فی الفور یو۔این۔او سے توقعات منقطع کر لیں۔ افسوس ہے لیڈرشپ کی ہی نااہلیت نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ ہماری مثال اس ذلیل ملازم کی ہے کہ جس نے ایک دفعہ تنگ آ کر جب آقا کو کہہ دیا کہ "جناب تنخواہ بہت کم ہے۔ اس سے گزارہ نہیں ہوتا آپ کو میری تنخواہ بڑھانی چاہیئے۔ اس تنخواہ پر کام کرنا مشکل ہے۔" لیکن جب آقا نے کڑک کر کہا کہ اگر ہم تنخواہ نہ بڑھائیں تو اس پر اس حرماں نصیب ملازم نے جواب دیا "سرکار پھر اسی تنخواہ پر کام کروں گا۔" حیرت ہے کہ ہمارا ہر ایک لیڈر یہی بیان دیتا ہے کہ مسئلہ کشمیر میں یو۔این۔او ہمارے ساتھ انصاف

---

[1] لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ (حدیث)

نہیں کر رہی ہے ثالث بد دیانتی کر رہے ہیں لیکن اتنی ہمت نہیں ہے کہ اُٹھ کر کہہ دیں کہ ہم کشمیر کا مسئلہ خود حل کریں گے۔ ہمیں تمہاری ثالثی منظور نہیں ہے میں نے مذکورہ بیان میں اپنے لیڈروں کی اسی تذبذب کی پالیسی اور یو۔این او کی عیارانہ روش کے بارہ میں کہا تھا کہ "فریب(1) کی غرض سے معاہدہ کرنے والے پاجی ہوتے ہیں لیکن پاجیوں پر اعتماد کرنے والے احمق کہلاتے ہیں"

جناب والا! ضرورت ہے کہ قوم جلد از جلد حالات کی نزاکت کا اندازہ کرے اور یہ طے کرلے کہ تسخیر کشمیر صرف بزورِ شمشیر ممکن ہے اس کام کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ جہاں قوم کی تعمیر کے لئے زبان آور وکیلوں اور دفتری بابوؤں کا ایک مقام ہے۔ وہاں قوم کی عسکری قیادت کے لئے عسکری مزاج، عسکری خاندان، عسکری تربیت اور عسکری ذہنیت والوں کی قیادت کے لئے وہ کرسیاں خالی کر دی جائیں جہاں طاؤس و رباب کے ماہر لندنی "ہز ماسٹرز وائس" کا نعرہ الاپ رہے ہیں۔ کشمیر تب فتح ہوگا جب اس میر کننگھم کی اس معنوی اولاد کو کہ جس نے کشمیر کے جنگی راز بھارتی سپہ سالارِ اعظم پر آشکارا کر دیئے تھے ہماری وزارتِ خارجہ کی سیکرٹری سے معزول کر دیا جائے گا۔ کشمیر تب فتح ہوگا جب انگلستان سے آنے والا ہر سفید رنگ کا شیطان ہمارے فوجی اڈوں، فوجی تیاریوں اور فوجی مراکز کا معائنہ نہ کر سکے گا۔ اور کشمیر تب فتح ہوگا جب ہم "اشتراکی کافروں" اور "جمہوری کافروں" کے امن کا کلمہ پڑھنا چھوڑ کر قرآنِ حکیم کے اس ارشاد کی حکمت سمجھ جائیں گے کہ

"اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"

---

(1) Those who don't fulfil their promises are rogues and those believe them are fools.

(جنابِ صدر! اِن الفاظ کے ساتھ مَیں اِس قرار داد کو مُسترد کرتا ہُوں)

"یہ قرار داد سرکاری پارٹی کے ایک رُکن نے پیش کی۔ حکومت نے نہ صرف اِسے کافی، شافی اَور نافع سمجھا بلکہ پُوری طاقت سے اسے منظور کرایا۔ مولانا نیازی نے اِس قِسم کی خالی خولی بے رُوح قرار دادوں کو جہادِ کشمیر کی توہین قرار دیتے ہُوئے ساری قرار داد کے ناقدانہ تجزیے کے بعد اسے مسترد کر دینے کا مشورہ دیا۔ اَور اس کے بجائے نفیرِ عام کے ذریعے جہاد کی تیاّری کا نعرہ "تسخیرِ کشمیر بنوکِ شمشیر" دیا۔ قرار داد کا انگریزی متن مندرجہ ذیل ہے:۔

(RESOLUTION)

This Assembly recommends to the Government of Pakistan of the grave discontent and sense of dissatisfaction created among the people of this province, by the inordinate delay in a just and peaceful settlement of the Indo-Pakistan dispute relating to the Jammu and Kashmir State and urges that the Pakistan Government take due notice of the most Charged situation which has been created in the Punjab by these circumstances and which is a source of grave and ever present danger to the peace, not only of this sub-continent, but of the world as a whole.

This assembly further recommends that an assurance should be conveyed to the Government of Pakistan that the people of this province will be ready and eager to make whatever sacrifices they may be called upon to make for ending the coercive subjugation, misery and sufferings of the slavery in which the people of Jammu and Kashmir are being held down under India's Forced military rule."

نظامِ تعلیم

تقریر، مؤرخہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۲ء

(اسمبلی کی سرکاری رپورٹ، جلد سوم۔ جزء ۱۰)

"جناب والا! جب ہم نے تعلیم کے متعلق وزیرِ خزانہ کی تقریر سنی تو اس سے ہمیں یک گونہ مسرت ہوئی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید وزیرِ تعلیم نے صوبہ کی تعلیمی ضروریات کا خاص خیال رکھتے ہوئے اپنے لیڈرز کو اس امر کا احساس دلایا ہے کہ اس صوبہ میں تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کافی وافی رقم رکھی جائے لیکن جب ہم نے یہ سنا کہ یہاں نئے سکول کھلیں گے، نئی عمارات تعمیر ہوں گی۔ اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ اور اڑھائی کروڑ روپے کی خطیر رقم اس سلسلہ میں صرف ہوگی تو اس سے معاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اہتمام کس غرض اور مقصد کے لیے ہے۔ ان سکولوں میں کیا تعلیم دی جائے گی اور کس سیرت کے نوجوان پیدا کیے جائیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اس کی مثال تو یہ ہے کہ ایک ایسا دسترخوان چنا گیا ہو جس پر قیمتی قسم کی کراکری موجود ہے عالیشان ڈائننگ ہال ہے۔ میزیں سنواری ہوئی موجود ہیں۔ کرسیاں موجود ہیں۔ لیکن جب مہمان کھانے کے لیے بیٹھتے ہیں تو وہاں پر وہی باسی ابلی ہوئی گھاس ہے جو کہ ہمیں دو چار سال پہلے فرنگی کھلاتا تھا۔ میں نے جو کٹ موشن دی ہے اس میں میں اس امر کو DISCUSS کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت صوبہ میں لوگوں کو کیسی تعلیم دی جا رہی ہے

جناب والا! میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے قیام کی جو غرض و غایت ہر فرد و بشر پر اچھی طرح روشن اور واضح ہے۔ وہ یہ تھی کہ چونکہ ہم متحدہ ہندوستان کے اندر اپنے ضمیر کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتے اور نہ ہی اپنے کلچر، اپنے تمدن، اپنی تہذیب، اپنی ثقافت اور اپنے عزائم کے مطابق نیا جہان آباد کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہم ایسے ماحول کی تلاش میں تھے جہاں ملت اسلامیہ چاہے تو اپنی شریعت کو نافذ کر سکے اور اپنی تہذیب

کا نقشہ جما سکے۔ اور ظاہر ہے صرف یہی ایک تصوّر تھا جس کے لیے ہم نے اتنی عظیمُ الشان قربانیاں دیں کہ جس کا جواب دُنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ اگر قرار دادِ مقاصد پاس نہ بھی ہوتی پھر بھی ہمیں چاہیئے تھا کہ ہم نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کے متعلق سب سے پہلے فیصلہ کرتے کہ آئندہ ہم نے پاکستان کو کس زاویۂ نگاہ اور کس مقصدِ حیات کی خاطر باقی رکھنا ہے یعنی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہی اس منزل کی جانب رُخ متعیّن کر لیتے کہ جس کے لیے ہم سالہا سال سے بڑے بے تاب تھے۔ اور جس کے لیے ہم نے اتنی قربانی دی تھی اور اتنی مصیبتیں برداشت کی تھیں۔ اس قسم کا کوئی نظریہ ہمارے سامنے ہونا چاہیئے تھا کہ جس سے ہم اخلاقی اور تہذیبی اعتبار سے پروان چڑھتے۔ پاکستان کو بنے ہوئے پانچ سال ہونے کو ہیں لیکن ہنوز روزِ اوّل کا معاملہ ہے۔ دو سال کا بچہ چلنے پھرنے لگتا ہے تین سال کا دوڑنے لگ جاتا ہے۔ اور پانچ سال کے بچے کو شعور آ جاتا ہے لیکن ہم حیران ہیں کہ یہاں اس قدر عرصہ گزر جانے کے بعد بھی نظامِ تعلیم کی اصلاح کے متعلق کوئی ایسی چیز سُننے میں نہیں آئی جس سے ہم یہ اندازہ کر سکیں کہ پاکستان جس مقصد کے لیے بنا تھا آیا اُسی طرف ہم جا رہے ہیں یا نہیں۔ نظامِ تعلیم کو ملّی مزاج کے مطابق ڈھالنے کے لیے قرار دادِ مقاصد ہمیں پابند کر دیتی ہے اور اسی کے مطابق ہمارا تمام نقطۂ نگاہ بھی بدل جانا چاہیئے تھا۔ ہماری تعلیم، ہماری تربیت اور ہمارے تمام تعمیری ادارے جو کہ قومی ترقی کے سلسلہ میں قائم ہیں اسی محور کے گرد گھومنے چاہیئیں تھے اور ان سب کا محور یہی قرار دادِ مقاصد بنا دینی چاہیئے تھی جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے :-

"چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ ہی کُل کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے اور اس نے جمہور کی وساطت سے مملکتِ پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدُود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرماتے ہیں اور چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدّس امانت ہے۔"

پھر اس میں آگے چل کر یہ لکھا ہے :-

"جس میں اصولِ جمہوریت، حرّیت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پُورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔ جس کی رُو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وُہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مُطابق جو قرآن مجید اور سنتِ رسُول میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں"

اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب و سُنّت کی روشنی میں سنت کے مطابق، اصولِ مساوات کے مطابق حرّیت، رواداری، عدل عمرانی جیسا کہ اسلام نے سکھایا ہے اس کے مطابق ہم نے اپنے نظامِ تعلیم کو ترتیب دینا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ قراردادِ مقاصد کے پاس ہونے کے بعد تعلیم کے سلسلہ میں ہمارا نقطۂ نگاہ یکسر بدل جانا چاہیئے تھا۔ اور ہمیں چاہیئے تھا کہ ہم موجودہ نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میں یکسر تبدیلی لے آتے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج تک ہمارے ہاں نظامِ تعلیم اور طرزِ تعلیم کے متعلق وہی پرانا نظریہ قائم ہے کہ دینی نظامِ تعلیم اور ہے۔ دُنیاوی نظامِ تعلیم اور ہے۔ اور ان دونوں کو یکجا کرنا ناممکن ہے اور جب دینی نظامِ تعلیم کے متعلق عوام میں چرچا ہوتا ہے یا اس کی تدریس کے متعلق کوئی مطالبہ کیا جاتا ہے تو عوام کا منہ بند کرنے کے لئے کچھ تھوڑا بہت روپیہ بطور صدقہ دے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عوام کے مطالبہ سے قطع نظر حکومت کو از خود ملّتِ اسلامیہ کی ہیئتِ ترکیبی اور اس کے عقائد اساسی تصوّرات کے لئے نیا نظامِ تعلیم مرتّب کرنا چاہیئے تھا۔ دینی اور دُنیاوی کی دُوئی کو ختم کر کے دونوں میں حکیمانہ امتزاج پیدا کرنا تھا لیکن آج تک اس بات کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ یہاں تو سارے نظامِ تعلیم کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ سارا نظامِ تعلیم نہیں بدل سکتا جب تک کہ موجودہ گمراہ قیادت کی جو کہ اسی فرنگی کے زمانہ نظامِ تعلیم کی پیداوار ہے۔ ذہنیّت،

اس کے نظریہ، اس کے نصب العین، اس کے رجحانات اور اس کے عزائم میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، ہماری نجات ناممکن ہے۔ دراصل ناخدا شناس امامت خواہ ترک ہو یا ایرانی یا مصری یا خود پاکستانی ہی کیوں نہ ہو یہ سب اسی طرح سے ناقابلِ قبول ہے جس طرح فرنگی یا جاپانی لیڈرشپ۔ ناخدا شناس ائمہ کی امامت میں رہ کر خدا شناسی یا خدا پرستی کا مسلک زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ نظامِ تعلیم جو علوم کو ناخدا شناس آئمہ کی ترتیب اور زاویۂ نگاہ سے لیتا ہے ان ائمۂ ضلال کی تمدنی مشین کا پرزہ بنا دیتا ہے اور ارتداد کا مجرب نسخہ ہے۔ ان مسلمات کی روشنی میں سب سے پہلے ہمیں یہ قرار دینا ہے کہ کائناتِ ارضی کا علم اور اس کی ترتیب خدا کی عبادت اور حاملِ وحی و الہام رسول کی متابعت میں مضمر ہے۔ پہلے ہمیں یہ تصور زندہ کرنا ہوگا۔ کائناتِ ارضی کے اندر خدا نے اشرف المخلوقات بناکر ہم کو یہ سبق سکھایا کہ ہم بوجہ امتِ محمدی ہونے کے اقوامِ عالم کے امام ہیں۔ اس لئے ہم قیادتِ عظیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نظام و تربیت کا رخ متعین کرتے ہیں۔ اس کائناتِ ارضی کے اندر جو تصور اشرف المخلوقات کا ہمیں دیا گیا ہے اسی تصور کو ہم نے شریعت کی تابعداری میں پھیلانا ہے۔ اسی کے مطابق انسان تیار کرنے ہیں۔ اور اسی کے مطابق ہم نے نظامِ تعلیم کے اندر وہ بنیادی تبدیلیاں پیدا کرنی ہیں۔ جن سے کہ بالآخر "کہ آں امت دگیتی را امام است" کا سماں پیدا ہو جاتے۔ جناب والا ہم حیران ہوتے ہیں۔ اور طبیعت پر ایک عجیب بوجھ محسوس ہوتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ اسے کاش بعض ممبرانِ اسمبلی اس ایوان میں ایسی باتیں منہ سے نہ نکالتے جو کہ وہ ۱۹۴۸ء میں کہا کرتے تھے۔ آج چار سال گزر جانے کے بعد بھی ان کے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اس وقت موجودہ قائدِ ایوان نے کہا تھا کہ گاندھی مردِ مومن ہے۔ میں نے اس وقت ان کی رہنمائی کرتے ہوئے کہا تھا کہ گاندھی مردِ مومن نہیں ہے۔ مشرک مردِ مومن کیسے ہو

سکتا ہے۔ مردِ مومن کا تصوّر بہت ہی بلند و بالا ہوتا ہے ۔

مومنے بالائے ہر بالا ترے

غیرت او بر نتابد ہمسرے

اسی طرح کلچر، تہذیب، عدلِ عمرانی اور تعلیم کے متعلق بھی ان کا نظریہ اسلامی نہیں ہوتا۔ یہ کہتے ہیں کہ فرانس کے ایک شخص نے کوشش کی تھی کہ عدلیہ کو انتظامیہ سے جدا کر دے لیکن وُہ کامیاب نہ ہو سکا۔ میں ان کی آگاہی کے لیے بتانا چاہتا ہوں کہ عدلیہ کی انتظامیہ پر سیادت تاریخِ اسلام کی ایک حقیقت ثابتہ ہے۔

جنابِ والا! میں یہ اس لیے عرض کر رہا تھا کہ نظامِ تعلیم کے متعلق جو موجودہ تصوّر ہے وُہ غلط ہے۔ اور جو میں پیش کرنے والا ہوں وُہ صحیح تصوّر ہے۔ اور اسی تصوّر سے دوبارہ عدلیہ کی سیادت منوائی جا سکتی ہے۔ میں اسی لیے چاہتا ہوں کہ مروجہ انتظامِ تعلیم کو یکسر بدل دیا جائے۔ اور اگر اس کو اسی طرح رہنے دیا گیا تو عدلیہ اور انتظامیہ کے جدا کرنے کے بارہ میں جو غلط فہمیاں پھیل چکی ہیں وُہ دُور نہیں ہو سکتیں۔ اس ایوان میں دو لتانہ صاحب نے عدلیہ کے تفوق کو ناممکن بتایا تھا۔ میں اُن کی چشمِ بصیرت کھولنے کے لیے بتانا چاہتا ہوں کہ ان کے مقابلہ میں دورِ فاروقی کی اُس بڑھیا کو زیادہ احساس تھا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتظامیہ کے افسرِ اعلیٰ ہونے کی حیثیت میں فرمایا کہ عورتوں کا حق مہر زیادہ نہیں باندھنا چاہیے تو اُس نے آپ کو للکار کر کہا تھا کہ اے عمر! اتق اللہ۔ اللہ سے ڈر۔ پھر اس کے بعد وُہ مشہور آیت کہ اِنْ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا۔ پڑھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ خدا کے فرمان کے مطابق تو یہ حکم ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں کو سونے کے ڈھیر بھی حق مہر میں دے چکے ہو تو واپس نہیں لے سکتے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مائی مجھے معاف کرنا۔ پھر مجمع عام کے سامنے اقرار کیا کہ عمرؓ سے تو مدینہ کی بوڑھی عورتوں کو قرآن زیادہ یاد ہے۔

جناب والا! اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ اسلامی نظامِ تعلیم نے مسلمانوں میں وُہ کیفیت پیدا کر دی تھی کہ ایک بُڑھیا بر سرِ عام خلیفہ سے جھگڑتی تھی۔ نیز یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ کلامِ الٰہی کو قطعی حجّت سمجھنے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ انتظامیہ عدلیہ کے سامنے ہیچ ہے جیسا کہ اس مشہور واقعہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ ہم اسی قسم کا نظامِ تعلیم رواج دینا چاہتے ہیں جس سے ملّت کا ایک عامی بھی احکامِ شریعت سے آگاہ ہو جائے۔ موجودہ سسٹم آف ایجوکیشن ایسا نہیں ہے جس سے اس قسم کی جماعت پیدا ہو جو وقت پر قوم کی صحیح رہنمائی کر سکے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ آپ تعلیم و تربیت کا نظام اس نقطۂ نگاہ اس مقصد اور مدعا کو پیشِ نظر رکھ کر قائم کریں تاکہ اس سے ہم صحیح مسلمان پیدا کر سکیں۔ مَیں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اِس وقت جو قصور ہے اور جو فساد ہے وُہ تبھی دُور ہو سکتا ہے جب ہم یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ دینی اور دُنیاوی نظام ہائے تعلیم الگ الگ نہیں ہیں۔ پھر اس کے بعد ہمیں اس سسٹم آف ایجوکیشن پر اس مقولہ کے پیشِ نظر غور کرنا چاہیے کہ کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن "حکمت کی بات تو مومن کی کھوئی ہوئی متاع ہے" اور کسی کی مِلک نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں دُنیا میں مختلف قسم کی تہذیبوں نے راج کیا ہے۔ پہلے بابل کی تہذیب عروج پر تھی۔ پھر مصر کی تہذیب نے راج کیا۔ اور اس کے بعد پھر اسلام کی تہذیب نے راج کیا اور اب یورپ کی تہذیب کا راج ہے۔

یورپ کی تہذیب کا غلبہ مادی استیلاء کے دروازے سے داخل ہوا ہے۔ اس لیے جو اقوام براہِ راست یا بالواسطہ دلِ یورپ کے ماتحت آئیں اُن کا زاویۂ نگاہ یکسر بدل گیا۔ خیر و شر، حلال و حرام اور نیک و بد کا معیار فرنگی فلاسفہ و مفکرّین کے ذہن کے مطابق بن گیا۔ اور اب حالت یہ ہے کہ "یورپ اگر گپ زند مسلم باشند" کے مطابق یورپ کی ہر چیز واجب التقلید ہے۔ حالانکہ تہذیب کفر و گمراہی کی نئی شکل ہے۔ جو شکوک و شبہات

جاہلیتِ قدیمہ کے ماہرین مادین و مُلحدین نے پیدا کیے وُہی یہ پیدا کر رہے ہیں۔ توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص شرفِ انسانیت سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اپنی تہذیب کو کائناتِ ارضی پر حاوی کرنا چاہتے ہیں۔ اور علم و تحقیق کے نام پر تہ بہ تہ جہالت کے اُن دبیز پردوں کو چاک کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں نظامِ تعلیم کو بدلنا ہوگا۔ نصابِ تعلیم میں زبردست ردّ و بدل کی ضرورت ہے۔ ہماری وزارت کو مزید التواء و تاخیر کو روا نہ رکھتے ہوئے جلد از جلد اِس سلسلہ میں قدم اُٹھانا ہوگا۔ اِس نظامِ تعلیم کے بعد وُہ وقت قریب آجائے گا جب کہ بدستورِ سابق اسلامی تہذیب دُنیا میں مینارِ نور کا مقام حاصل کر لے گی۔

جنابِ والا! ہم نے یہ بھی دیکھنا ہے کہ آیا موجُودہ نظامِ تعلیم ہماری مِلّت کی آرزوؤں اور اُمنگوں کی تسکین کی خاطر وجُود میں آیا تھا یا محض یہاں پر حاکم کی مصلحتِ وقت کو پُورا کرنے کی خاطر جاری کیا گیا تھا۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ موجُودہ نظامِ تعلیم محض انگریزی حاکمانہ ضروریات کی تکمیل کے لیے یہاں نافذ کیا گیا۔ جب حقیقتِ حال یہ ہے تو کیا اَب بھی آپ پر یہ حقیقت نہیں کھلی کہ ہندوستان کے اندر یورپ کے گماشتوں نے جو نظامِ تعلیم مرتب کیا تھا وُہ انہیں انسانِ کامل بنانے کے لیے مرتب نہیں کیا گیا تھا وہ تو انہیں فرنگی نظام کا خادم چوکیدار اور چپڑاسی بنانے کے لیے مرتب کیا گیا تھا۔ شریکِ حکم کرنے کے لیے یہ نظام نہیں وضع کیا گیا تھا۔ بقول اقبال ؎

شریکِ حکم غلاموں کو کر نہیں سکتے
خرید لیتے ہیں فقط اُن کا جوہرِ ادراک

میکالے اِس بات کو بھانپ گیا تھا کہ اِتنے انگریزوں کو یہاں لانا ناممکن ہے جو سارے مُلک کو قبضہ میں رکھ سکتے ہوں۔ اس کے لیے انہیں ایسے دفتریوں اور سیکرٹریوں کی ضرورت تھی جو انگریز کی خاطر اِس سلسلہ کو چلائیں۔ علاوہ ازیں انہیں

اس ملک میں ایسی ایک نئی تابع فرمان اُمت پیدا کرنے کی بھی ضرورت تھی جو ان کی عادتیں، اُن کا چلن اَور ان کی معاشرت اختیار کر لے۔ اور جو ان کے ساتھ میز کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا کھائے۔ ان کی مرضی کی باتیں کرے اَور جس سے وُہ کلام طعام کر سکیں۔ چنانچہ اِس مقصد و مدعا کے پیشِ نظر اُنہوں نے یہ نظامِ تعلیم چلایا تھا جو آج تک یہاں رائج چلا آتا ہے۔ اَور مَیں سمجھتا ہُوں کہ یہی وُہ نظامِ تعلیم ہے جس کے متعلق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

اَور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دِین و مروّت کے خلاف

ضرورت ہے کہ اب اِس نظامِ تعلیم کو جسے دُشمن نے ایک واضح نصب العین اَور خاص نکتۂ نگاہ کو پیشِ نظر رکھ کر چلایا تھا یکسر بدل دیا جائے۔ اَور اُسے اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر بدل دینے کی ضرورت ہے کہ آئندہ یہاں پر مولوی اَور مسٹر کی تقسیم نہیں ہو گی۔ ہمارا دینی نظامِ تعلیم دُنیاوی نظامِ تعلیم سے الگ نہیں ہو گا۔ نیز دینی تعلیم اَور دُنیاوی تعلیم کی موجُودہ تفریق بھی نہیں ہو گی۔ ہماری دُنیا ہمارے دین کے تابع ہو گی بلکہ وُہ لوگ جو ہماری یونیورسٹی، ہمارے کالجوں اَور ہمارے سکولوں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلیں گے۔ ان میں یہ قابلیت ہو گی کہ وُہ قاضی القضاۃ بن سکیں، مفتیٔ اعظم بن سکیں، گورنر بن سکیں۔ اَور اضلاع کے ڈپٹی کمشنر بھی بن سکیں۔ اَور یہ کوئی نئی بات نہ ہو گی۔ اس سے پہلے آپ کے سامنے ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن سے بخُوبی واضح ہو جاتا ہے کہ مسجد کی تعلیم و تربیت کے بعد گورنر، قاضی، مفتی اَور منصف بلا تخصیص ہمیں میسر آ جاتے تھے۔

حجاج کی ایڈمنسٹریٹو قابلیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ وُہ ایک سکول ماسٹر تھا۔ یہ اسلامی نظامِ تعلیم کا کرشمہ تھا کہ لوگ جب مساجد سے فارغ التحصیل

ہو کر نکلتے تھے تو دُنیا کے لیئے مینارِ نور بن جاتے تھے۔ اگر ایک طرف مسجد میں امامت کے فرائض سر انجام دیتے تھے تو دُوسری طرف میدانِ وغا میں عساکرِ الٰہی کی قیادت بھی کر سکتے تھے۔

اَب میں آپ کے سامنے بیان کردہ تصوّر کی تائید میں چند باتیں پیش کرتا ہُوں تاکہ آپ یہ نہ کہیں کہ میں صرف اعتراض کرنا جانتا ہُوں راہ دکھانا نہیں جانتا۔ میں اِس ناقص تعلیم کو بدلنے کے سِلسِلہ میں تین چیزیں آپ کے سامنے رکھتا ہُوں۔ سب سے پہلے تو آپ کے سامنے یہ بات ہونی چاہیئے کہ موجُودہ گمراہ قیادت اَور اس کے معتقدات کی ذِلّت آمیز غلامی سے قوم کو نجات دلانے کے لیئے حقیقی معنوں میں زندگی کے ایک ایک لمحہ کے لیئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اُسوۂ حسنہ پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ اَور اِس کے لیئے آپ نے یکایک اپنے تعلیمی اداروں کا رُخ گمراہی کے مرکز سے ہٹا کر انہیں کعبہ مکرّمہ کی جانب لے جانا ہے۔ ہمارے ان تعلیمی اداروں کا مقصد ایسے لوگ پیدا کرنا ہوگا جن کی زندگی کا مقصد و منتہا رضائے الٰہی اَور رضامندیٔ رسالتمآب ہو۔ دُوسرے میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے موجُودہ نصابِ تعلیم سے طلبہ پر اتنا زیادہ بوجھ پڑتا ہے اَور اُنہیں اِتنے زیادہ مضامین پڑھنے پڑتے ہیں کہ اِس طرح سے تعلیم کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہُوں کہ اِس طریقے کو بدل دینے کی ضرورت ہے۔ اَور علومِ ضروری اَور علومِ اختصاصی کے درمیان ایک واضح حد مقرر کر دینی چاہیئے ضروری نہیں کہ ہر ایک پر ایک ہی طرح کا بوجھ لادا جائے۔ طلبہ کا رُجحانِ طبع اَور صلاحیّت دیکھ کر اسی کے مطابق تعلیمی رہنمائی کی جائے اَور مضامین اختیار کرتے وقت کافی غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ بات اب پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ نظامِ تعلیم وُہی کامیاب ہوگا جس میں پڑھنے والے کسی ایک جانب مہارتِ تامہ حاصل کر سکیں گے۔ علاوہ ازیں آپ کو یہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ کتاب و سُنّت

(جس کا ذکر قرار دادِ مقاصد میں آچکا ہے اور جس سے اب کوئی شخص ہٹ نہیں سکتا) کے علوم کی تعلیم کا زیادہ سے زیادہ انتظام ہو۔ گذشتہ اسمبلی نے کہ جس میں میرے بہت سے موجودہ رفقائے کار اور ہمارے موجودہ وزیر معارف بھی موجود تھے۔ متفقہ طور پر میری اسلامی اکیڈمی کی قرارداد منظور کی تھی۔ اس وقت کے ممبرانِ اسمبلی نے مجھے اس قرارداد کے منظور ہو جانے پر مبارکباد بھی دی تھی۔ اور وزیرِ تعلیم نے تو اس وقت یہاں تک کہہ دیا تھا کہ مَیں نے اس اکیڈمی کے لئے صرف ایک لاکھ کا مطالبہ کیوں کیا۔ وُہ تو اس پر دس لاکھ تک صرف کرنے کے لئے تیار تھے۔ مجھے اُمید ہے کہ اُنہیں یہ بات اچھی طرح یاد ہوگی۔ مگر اب مَیں حیران ہُوں اور مجھے اس پر سخت افسوس بھی ہے کہ سیاسی رقابتوں اور جھگڑوں میں اس قرارداد کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں ایک لاکھ کی گرانٹ غت ربُود ہوئی۔ ۱۹۴۹ء میں گورنری راج کے دوران میں دو لاکھ کی گرانٹ LAPSE ہُوئی۔ اسی طرح ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء میں بھی یہ گرانٹ LAPSE ہوتی رہی۔ مجھے افسوس ہے کہ فلمی گانوں اور آرٹ کونسل اور آرٹ گیلری جیسی لغو مدّات کے لئے اخراجات تو پُورے ہوتے رہے، ان کے لئے مصرف نکلتا رہا۔ مگر پنجاب کے چیف سیکرٹری صاحب یہ نہ بتا سکے کہ یہ دو لاکھ روپے کہاں خرچ ہوں گے۔ نگاہ کی نامسلمانی سے فریاد۔

مکدّر کرد مغرب چشمہ ہائے علم و عرفاں را
جہاں را تیرہ تر سازد چہ مشائی چہ اشراقی

ابھی آپ کے سامنے میاں عبدالباری صاحب یہ رونا رو رہے تھے کہ کاش آپ نے مساجد کی تنظیم کر کے ان میں مکاتب کھولے ہوتے۔ مَیں ان کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہُوں کہ اسی ایوان کے اندر شیخ فضل حق صاحب پیراچہ نے مکاتب کی قرارداد پیش کی تھی۔ اور اس ایوان کے ہر ایک ممبر نے اس کی تائید کی تھی مگر دو سال

کی چالاکی سے یہ مُبارک دستور تجویز باوجود متفقہ تائید وحمایت کے منظور نہ ہوسکی اس
سے بالصراحت معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے برسرِ اقتدار طبقات دین کا چرچا صرف اسی حد
تک باقی رکھنا چاہتے ہیں جس حد تک کہ یہ اس سے خود استفادہ کرسکیں لیکن جہاں
یہ سوال اُٹھا کہ دین کو زندگی کے ہر پہلو پر حاوی کردیا جائے ان کے کان کھڑے ہوجاتے
ہیں۔ اور ان کا بے رحم ہاتھ ایسی تجاویز کے راستے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ تم نے
مساجد کے ساتھ دینی مکاتب کی تجویز کو پاس نہ ہونے دیا اور تقریباً ۸ لاکھ روپیہ کی گرانٹ
کو جو کہ دینی علوم کی خاطر پیش کی گئی تھی ضائع کردیا ایسا گناہِ عظیم ہے جو معاف نہیں ہوسکتا
اور قوم سے ایک ایسی وعدہ خلافی ہے کہ جو برداشت نہیں کی جاسکتی۔ اب خدا تم سے
ان وعدہ خلافیوں کا بدلہ لے رہا ہے۔ یہ جو تم پر آج مصیبتوں اور نحوستوں کے بادل
چھائے ہیں اور تم دن بدن غرق ہوتے جارہے ہو ذلّت ونکبت کے چاہِ عمیق میں
اس کا سبب یہی ہے کہ تم نے وہ جو وعدہ کیے تھے انہیں پورا نہیں کیا۔ آؤ آج
ہم پھر تجدیدِ عہد کریں۔ اور اس وقت اس ایوان کے اندر اسلامی اکیڈمی کے قیام
کے متعلق جو قرارداد ہم نے منظور کی تھی اس کو REVIVE کریں تاکہ ہمیں علومِ اسلامیہ
عربیہ میں ایسے ایکسپرٹ مہیا ہوسکیں جو کتاب وسنّت کے علوم کو کما حقہٗ پڑھا سکیں جو
ان علوم کو سمجھتے ہوں اور سمجھا سکتے ہوں۔ جو دین میں مہارتِ تامہ رکھتے ہوں۔ ورنہ
آج کل ہماری یونیورسٹی کے اندر یہ جو اسلامیات کا مضمون ہے یہ تو ایک مذاق ہے
اسلام کے ساتھ مذاق ہے طلبہ کے ساتھ۔ اس کا ہیڈ ایک ایسے شخص کو مقرر کردیا
گیا ہے جو نہ علومِ اسلامی کی سند رکھتا ہے اور نہ ان میں مہارتِ تامہ رکھتا ہے۔ بلکہ
عربی کا ایک لفظ نہیں جانتا۔ اس نے VIA بھٹنڈہ منشی فاضل کرکے ایم۔ اے فارسی
کا کیا ہوا ہے ایسے شخص کو اسلامیات کا ہیڈ بنانا ظلم کے مترادف ہے امام راغب اصفہانی
کے نزدیک ظلم کی تعریف یہ ہے کہ

"وضع الشیئ علیٰ غیر محلہ"

"کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جہاں اس کا محل نہ ہو ظلم ہے"۔ یعنی کسی اہم ذمہ داری کے عہدہ پر ایک نالائق آدمی کو مقرر کرنا ظلم ہے۔ مزید وضاحت کے لیئے اِس بارہ میں آنحضور کے ارشادات بھی موجود ہیں۔ آنحضور ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا "ایان تقوم الساعۃ یا رسول اللہ"؟ یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی، تباہی کب آئے گی۔ حضور نے تقریر جاری رکھی۔ اس بدّو نے سمجھا کہ شاید حضور کو اس کا سوال یاد نہیں رہا اس لیئے مایوس ہو گیا۔ لیکن جب آپ نے تقریر ختم کی آپ نے فرمایا کہ ابھی ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ "قیامت کب آئے گی"؟ وہ جان لے قیامت اُس وقت آئے گی۔ "اذا ضیعتہ الامانتہ" جب ذمہ داریاں ضائع ہونے لگ جائیں۔ اور "واذو سن الامر الی غیر اھلہ"۔ اور جب ذمہ داریوں کے کام نااہلوں کے سپرد ہونے لگیں" فانتظروا الساعتہ۔ فانتظروا الساعتہ فانتظروا الساعتہ"۔ اس وقت قیامت کا انتظار کرو۔ تباہی کی گھڑی کا انتظار کرو۔ یہ الفاظ آپ نے تین دفعہ فرمائے۔

اِسلامیات تو نظامِ تعلیم میں بمنزلہ دل اور دماغ کے ہے۔ مگر آپ نے اسے اپنے نظامِ تعلیم کا دُم چھلہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔ اور دُوسرے علوم کے ساتھ اس کا رابطہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ریشم کے ساتھ ٹاٹ کا پیوند لگا دیا جاتے۔ سوال یہاں پیوند لگانے کا نہیں۔ سوال سارا تانا بانا بدل دینے کا ہے۔ یعنی تمام علوم و فنون میں اسلامی رُوح کام کر رہی ہو۔ سب میں ایک ہی مرکزی نقطہ درپیش ہو۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی اور اس پر آپ اِس طرح خرچ کر رہے ہیں جیسے آپ کسی کو بھیک دے رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی بطش شدید سے ڈرنا چاہیئے۔

اِس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارے نظامِ تعلیم میں آج کل جو علوم پڑھائے

جاتے ہیں۔ مثلاً پولٹیکل سائنس، فلسفہ اور اقتصادیات وغیرہ۔ ان میں جو کافرانہ نظریات ہیں۔ ایسے نظریات جو مغرب کے کافروں نے ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ ان کے بارہ میں ہم اپنے طلباء پر یہ واضح کر دیں کہ ان کی حیثیت کیا ہے۔ ان جاہلانہ اور مفسدانہ نظریات کی قلعی کھول کر طلبہ کو اسلامی دانش و برہان کے اسلحہ سے مسلح کر دینا چاہیئے۔ ان علوم میں جہاں جہاں ان کا قرآنی نظریات کے ساتھ تصادم ہے اُنہیں واضح کر دینا چاہیئے تاکہ وُہ ان کے زہر سے محفوظ رہیں۔ ہم تو اس سے ایک قدم آگے جا کر یہ بھی کہنے کے لیئے تیار ہیں کہ ؎

یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبے یہ سوز و سرُور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس لیئے جناب والا! میں ان کی خدمت میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ وُہ جلد از جلد علوم قدیم اور علوم جدید کے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کریں جو پُوری توجہ، یکسُوئی اور پُوری نگرانی کے ساتھ چھ ماہ کے اندر اندر ایک ایسا نظام اور نصابِ تعلیم مرتب کرے جس سے ہمارے نوجوان رسول اللہ کی اُمت کے قابلِ فخر فرزند بن سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس نکتہ نگاہ کو سامنے رکھتے ہوئے آپ جو کچھ بھی کریں گے وُہ آپ کی قومی ترقی کے لیئے مفید اور کارآمد ثابت ہو گا۔

جناب والا! ہر چہار جانب سے اپنے ان قائدین کے منہ سے ہم اسلام اسلام کا وظیفہ سنتے سنتے تنگ آ گئے ہیں۔ اگر جو کچھ یہ کہتے ہیں اس کا عشر عشیر بھی ان کے قلوب میں جاگزیں ہے تو میں سوال کروں گا بلکہ اب میں یہ چیز آپ کے سامنے رکھوں گا کہ موجُودہ وزارت نے نظامِ تعلیم کو بدلنے کے لیئے کیا کچھ کیا ہے۔ یہ آپ نے کیا تماشا بنا رکھا ہے۔ پاکستان کو قائم ہوئے پانچواں سال شروع ہے لیکن ابھی تک یہ بھی طے نہیں ہوا کہ اسلامی تہذیب و ثقافت کی حامل زبانوں عربی، فارسی اور اُردو کے لیئے آپ نے

کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ عربی، فارسی اور اُردو کی زبانیں جو انتظار کی گھڑیاں گزار رہی تھیں اور تارے گن گن کر شاندار مستقبل کے لیے اِس قدر صعوبتیں برداشت کر رہی تھیں ان کی ترقی کے لیے کیا کچھ کیا گیا ہم اُلٹا ان کو اب EXPLOIT کر رہے ہیں۔ ہم اپنی تہذیب و تمدّن کو کیا خاک زندہ کریں گے۔ جب یہ حال ہے کہ عربی اور فارسی کے ایم۔اے کی کوئی قدر نہیں اور ان کے گریڈ انگریزی کے ایم۔اے سے بے حد کم ہیں۔ تو کون باور کرے گا کہ ملک اِسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز بن رہا ہے۔ عربی فارسی کے حامیوں نے جب بار بار چیخ و پکار کی تو نتیجہ یہ ہُوا کہ ڈائریکٹر پبلک اِنسٹرکشن کی طرف سے چٹھی آئی کہ آپ کو وُہ گریڈ نہیں مِل سکتے۔ مَیں وزیرِ معارف سے درخواست کروں گا کہ وُہ عربی اور فارسی کی طرف بھی توجہ فرمائیں۔ پہلے تو یہ حکم تھا کہ آپ عربی۔ فارسی میں سے ایک مضمون لازمی طور پر لیں لیکن اب یہ کر دیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ سائنس اور ڈرائنگ کو شامل کر لیا گیا ہے۔ ان میں سے جو مضمون آپ لینا چاہیں لے سکتے ہیں۔ کیا قومی زبانوں کو ترقی دینے کے یہی لچھن ہُوا کرتے ہیں؟ اور پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ عربی میں جو کتابیں ہم پڑھاتے ہیں وُہ اغلاط سے اِس قدر پُر ہیں کہ جس کا کوئی شمار نہیں۔ پرسوں قاضی مرید احمد صاحب نے وزیرِ معارف کی توجہ اس چیز کی طرف مبذول کرائی تھی۔ لیکن مَیں اس وقت ایوان میں اس کا حوالہ بھی دے سکتا ہُوں کہ تقسیم سے پہلے جو عربی کتاب یعنی دروس الادب پڑھائی جاتی تھی اس کی کتابت اور کاغذ کا اس کتاب سے مقابلہ کر لیں جو اب پڑھائی جا رہی ہے تو نمایاں فرق نظر آئے گا۔ اس میں کتابت اور چھپائی کی بے شمار غلطیاں ہیں۔ حتیٰ کہ تقریباً ہر صفحہ پر دس دس بارہ بارہ غلطیاں موجود ہیں۔ آپ کو اس جانب فوراً توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد مَیں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو ایک معیار مقرر ہُوا ہے کہ گورنمنٹ کالج میں کوئی پروفیسر نہ لیا جائے جب تک کہ وُہ کوئی ریسرچ کا کام نہ کرے۔ مَیں اس سلسلہ میں اپنی یونیورسٹی کے ہسٹری کے ہیڈ آف

ڈیپارٹمنٹ کا ذکر کرتا ہوں۔ گو مَیں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں ہسٹری کا کوئی اچھا طالب علم رہا ہوں لیکن مجھے اِس ہیڈ آف دی ہسٹری ڈیپارٹمنٹ کا پچھلا ریکارڈ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی۔ انہوں نے ہمیشہ III کلاس لیا ہے۔ اور بی۔ اے منشی فاضل کر کے کیا ہے۔ ایم۔ اے تھرڈ کلاس ہے۔ لیکن اب یہ حضرت نامدار خان کالج کے پروفیسر بن چکے ہیں۔

ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ جب محکمہ تعلیم میں بھی اِس بھونڈے انداز کی سفارشیں چل نکلیں تو ع "کارِ طفلاں تمام خواہد شد" نتیجہ ہو گا۔ مَیں وزیرِ تعلیم سے درخواست کروں گا کہ وُہ ایک وسیع انکوائری کریں۔ اور جہاں جہاں یوں اندھا دھند ترقیاں مل گئی ہیں اُن پر نظرِ ثانی کریں۔ یونیورسٹی اور محکمۂ تعلیم کا تعلق دو برابر کے اداروں کا ہونا چاہیئے نہ یہ کہ محکمہ تعلیم یونیورسٹی پر اپنی رائے مسلّط کرنے لگ جائے۔

پھر مَیں جناب والا یہ عرض کروں گا کہ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن کا یونیورسٹی کے امور میں کوئی دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہمیں کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ یونیورسٹی ایک ایسا ادارہ بن جائے جس کے اختیارات زیادہ سے زیادہ وسیع ہوں اور محکمہ کے ساتھ اس کا صرف تعلیمی تعلق ہو۔ آخر میں اب مَیں کچھ SUGGESTION آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ایک تو یہ عرض کروں گا کہ آپ میٹرک تک تعلیم مفت کر دیں۔ اِس سے آپ کو گیارہ لاکھ روپیہ ضرور ملتا ہے۔ لیکن اگر آپ یہ گیارہ لاکھ روپیہ معاف کر دیں گے تو لوگوں کو آپ پر بے حد اعتماد پیدا ہو جائے گا اور عوام کے دلوں میں آپ کی والہانہ محبت پیدا ہو جائے گی۔ فرنٹیئر نے تو مڈل تک تعلیم مفت کر دی ہے۔ اور ہمیں اِس سلسلہ میں اُس صوبہ سے آگے بڑھنا چاہیئے۔

دُوسرے مَیں یہ عرض کروں گا کہ گورنمنٹ کالجوں میں نیشنل کالجوں کے مقابلہ میں فیسیں بہت زیادہ چارج کی جاتی ہیں۔ مَیں یہ عرض کروں گا کہ ہمیں اِس فرق کو اُڑا دینا چاہیئے۔ کیونکہ اِس طرح سے غریب طالب علم گورنمنٹ کالجوں میں نہیں جا سکتے

علاوہ ازیں یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ کالجوں کے ہوسٹل ایسے ہیں جیسے کبوتر خانے ہوا کرتے ہیں غسل خانے بے حد گندے ہیں۔ پانی کا کوئی انتظام نہیں۔ گرمیوں اور سردیوں کے لیئے کوئی سہولت مہیا نہیں اور یہ چیزیں طلبا کی صحت پر بُرا اثر ڈالتی ہیں۔ کالج ایسے صاف ستھرے ہونے چاہئیں کہ وُہ تعلیم کی خاطر اطمینان سے قیام رکھ سکیں۔ اس کے بعد ہم طلبار کے دلوں میں بلند و بالا تصوّرات پیدا کر سکیں گے۔ آپ نے ایک YOUTH HOSTEL چھ لاکھ کے مصرف سے مری میں کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مری میں اس کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ لاہور کے طلبہ عذاب میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ لاہور میں بنایا جاتا تو طلبار کے لیئے بے حد مفید ثابت ہوتا۔ آپ لاہور کے میڈیکل کالج کا ہوسٹل دیکھ سکتے ہیں اس کا بھی یہی حال ہے کہ اگر آپ اس کے کسی حصہ سے بولیں تو دسویں کمرے تک آواز جاتی ہے۔ لکڑی کی PARTITION WALLS سے الگ الگ CUBICLES بنا دیئے گئے ہیں۔ وُہ ناقص اور غیر آرام دہ ہیں۔ علاوہ ازیں ڈینٹل کالج کا کوئی ہوسٹل نہیں۔ لاہور میں طلبہ کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ حکومت وسیع میدانوں میں ماڈل ٹاؤن کی جانب ہوا دار اور مصفّا ہوسٹل بنائے اور وہاں طلبہ کی رہائش کا انتظام کیا جائے۔ وزیر تعلیم چونکہ ہیلتھ کے بھی ساتھ ساتھ انچارج ہیں اس لیئے انہیں ان امور کی طرف بھی توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔

اب میں جناب والا اسلامک ہسٹری کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس کو از سرِ نو مرتّب کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں یہ جو شیعہ سُنّی کے جھگڑے اور فسادات ہیں ان کی ۹۰ فی صدی ذمہ داری غلط تاریخ پر ہے۔ ہماری موجُودہ تاریخ کی کتابوں میں بہت غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ وزیر معارف جلد از جلد اپنی توجہ اس طرف مبذول فرمائیں۔ اور شیعہ اور سُنّی علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بنائیں جو اس معاملہ میں پُوری تحقیق کرے۔ اور بتائے کہ تاریخ اور عقائد میں کیا فرق ہے۔ تاریخی واقعات

میں مبالغہ آمیزی اور رنگ آمیزی کو کہاں تک دخل ہے۔ خالی الذہن ہو کر جذبات سے قطع نظر محض واقعات کی روشنی میں تاریخ مرتب کرنی چاہیے۔ اور جب معلوم ہو جائے کہ موجودہ ڈھکوسلوں کو تاریخ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور موجودہ مروّجہ کتب اختلاف و تفرقہ کی وسیع خلیج حائل کرتی ہیں تو اس کا فوری علاج تجویز کیا جائے۔ اور پھر حقائق کے مطابق تاریخ کو بدلا جائے۔

اب میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے متعلق بھی کچھ عرض کروں گا اس جگہ پر کوئی مستقل آدمی ہونا چاہیے۔ ہمیں ایسے شخص کی ضرورت نہیں جو روزانہ صرف ایک گھنٹہ اس کام پر صرف کرے۔

اس کے بعد میں یہ عرض کروں گا کہ اردو کو اپنا لنے کے لئے ہمیں ایک وسیع دارالترجمہ قائم کرنا چاہیئے۔ جو جلد از جلد ضروری کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کرے۔ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ ہم جو دُنیا کو علم اور معارف دینے والے تھے۔ ہمارے علوم کو غیر قوموں نے اپنی زبانوں میں منتقل کیا۔ اور اب اپنا یہ حال ہے کہ انگریزی کے بغیر کام نہیں کر سکتے۔ لازم ہے کہ جلد از جلد اصلی ماخذ کو سامنے لایا جائے۔ ان کی مسخ شدہ شکل جو انگریزی کتب میں موجود ہے اُس کی اصلاح کی جائے اور یوں قومی علم و ادب کو مالا مال کیا جائے۔ اور تعلیمی اداروں میں جو کافر اُستاد ہیں اُنہیں فوراً نکال دینا چاہیئے حیف ہے محکمہ سیاسیات کا انچارج ایک یہودی کو مقرر کیا گیا ہے جو بے حد جاہل اور ناسمجھ ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وُہ کافرانہ نظریات کا تریاق اسلامی نظریہ سیاست میں بیان کر سکے وُہ موجودہ علوم بھی نہیں پڑھا سکتا۔ جناب والا! ہمارا مطالبہ ہے کہ یہ کافر پروفیسر تاریخ سیاست۔ فلسفہ اور اقتصادیات سے یک قلم نکال دیئے جائیں۔ کیونکہ ان مضامین میں یہ اسلامی نظریہ پیش نہ کر کے طلباء کے قلوب و اذہان میں کفر یلا زہر اتار دینا چاہتے ہیں TECHNICAL امور کے لئے بامر مجبوری آپ غیر اُستاد رکھ سکتے ہیں لیکن ان میں

بھی جاپانی اور جرمن ماہرین کو ترجیح دی جائے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وُہ ہر لحاظ سے ناکام ثابت ہُوتے ہیں۔ اور تاریخ، فلسفہ، سیاسیات، اقتصادیات اور نفسیات، مسلمان طلبہ کو نہیں پڑھا سکتے۔

دُوسرے مَیں یہ عرض کرنا چاہتا ہُوں کہ آپ کو ایک نیا علمِ کلام اسلام کو DEFEND کرنے کیلئے تیار کرنا چاہیے جس طرح امام غزالی نے ایک نیا علمِ کلام مرتب کیا تھا۔ امام غزالی نے فلسفہ یُونان کا رد لکھا تھا۔ ہمیں اس وقت یورپ کے موجودہ فلاسفہ کے کفریہ معتقدات کا زہر دُور کرنا ہے۔ یہ کام بھی ہماری وزارتِ معارف کو کرنا ہوگا۔ اِس لیے تحقیقات کی ایک چیئر مقرر کرنی ہوگی جو قوم کو نئے علمِ کلام سے مسلّح کر کے دین کے تحفظ کا انتظام کرا دے۔

